حیات مشتاق

یعنے

سوانح عمری نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب

بہادر امروہی آنریری سکرٹری مدرستہ العلوم علیگڈھ

مؤلفہ

منشی سکندر علیخان صاحب

شیروانی ساکن جہت پور ضلع

ہوشیار پور

(بعد اخذ حقوق دوامی از مصنف)

اوّل سنہ ۱۹۰۹ء میں

لاہور میں باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر کے چھپا۔

شبیہ جناب نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب بہادر

سامعین پر جتنا اثر تمثیل کا پڑتا ہے مسئلہ وہاں تک ٹھوکریں کھا کھا کر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ سوانحعمری لکھنے سے بھی یہی مطلب مدنظر ہوتا ہے۔ کہ پاک لوگوں کی زندگی کے نمونے یا ایسے اشخاص کی زندگی کے فوٹو جنہوں نے اپنے آرام و آسائش کو قوم کے فوائد پر قربان کر دیا ہو۔ موجودہ نسل کے واسطے یہ امنگ پیدا کرنے میں مقناطیسی اثر اپنے اندر لئے ہوتے ہوں کہ ہم بھی ویسے ہی ہو جائیں۔ دیکھو ایک مدرسے یا سکول میں دس لڑکے تعلیم پاتے ہیں ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ میں بقیہ متعلموں سے گوئے سبقت لے جاؤں اس جدوجہد کا نتیجہ لڑکوں کے حق میں بہت مفید پڑتا ہے۔ کیونکہ جس وقت ایک آدمی دوسرے شخص کی خصلت حسنہ کو دیکھتا ہے تو وہ اس کی قبولیت کو محسوس کرتا ہے۔ یورپ آج بام ترقی پر کیوں نظر آتا ہے۔ اسی باعث سے کہ اس سرزمین کے رہنے والے ہمارے اہل ملک کی طرح اپنے بزرگان سلف کے کارناموں سے بے خبر نہیں۔ کلائیو کے کارنامے پڑھ کر موجودہ

نسل چاہتی ہے کہ ہم بھی ویسے بہادر ہو جائیں اگرچہ مدت ہوئی کہ وہ چل بسا مگر
اُس کے کارنامے مصنفین ملت کی بدولت بارہ بجے کے آفتاب کی
مانند روشن ہیں۔ صرف کلائیو ہی پر کیا ہے وہ تو بھلا مشہور جنرل تھا۔ مگر
یورپ میں آج ایک شخص فوت ہوا۔ ادھر اس کی ہسٹری چھپ کر پبلک
میں پہنچ گئی۔ بارہ برس کے بچے جب اس کی لائف مطالعہ کرتے ہیں
تو وہ خیال کرتے ہیں کہ اسی طرح ایک دن ہماری سوانحمری بھی پبلک
میں پہنچے گی۔ جہاں تک ہو سکے مفید ملک و قوم کام سرانجام دینے چاہئیں
تاکہ نیک نامی کے ساتھ ہماری شہرت رہے۔ یہ خیالات اُس لڑکے کو
ہمیشہ اسی دُھن میں رکھتے ہیں کہ کوئی موقعہ پیش آئے تو اپنی جان کو ملک
و قوم پر نثار کرکے فلک نام آوری کا سُورج بنے۔ اب دوسری طرف
نگاہ اٹھاؤ۔ ایک ہندوستانی جنٹلمین کی میز پر اگر نگاہ ڈالو تو دو چار ناولوں
کے سوا کچھ نظر نہ آئیگا۔ اوّل تو سوانح عمری اور تاریخ نویسی کی طرف توجہ
ہی کم ہے اور اگر محدودے چند شائع بھی ہوتی ہیں تو ملک کا مذاق نہائیت
بیرحمی کے ساتھ نظر انداز کرکے ناولوں کی تلاش میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس
ناول خوانی کا نتیجہ موجودہ نسل پر جو پڑ رہا ہے اُس کے بیان کی ضرورت
نہیں۔ یہی باعث ہے کہ بمقابلہ تعلیم یافتہ حضرات اُمّی لوگ اخلاق میں اچھے
ہوتے ہیں۔ تاریخ اور سوانحمری جو ہمارے بزرگوں کا سرمایہ تھا بہت حسرت
کے ساتھ اور ہماری غفلت و لاپروائی کا شکار ہو کر ہندوستان سے رخصت
ہو گئی۔ ہم کبھی خیال نہیں کرتے کہ یورپین حضرات کس طرح ہمارے بزرگوں
کا سرمایہ ہم سے چھین کر اس کو انگریزی لباس پہنا رہے ہیں۔ ہمارے لٹریچر
کا یہ تنزل اس قابل ہے کہ علم دوست حضرات رو رو کر خاموش ہو جائیں۔
تاریخ و سوانحمری کے شائق و مصنف بہت دفعہ ملک کی بے پرواہی و عدم
مذاق کا نوحہ گا چکے ہیں۔ اس لئے زیادہ تصریح کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ

موقعہ ہے کہ مفصل تشریح کر کے ملک کے جنٹلمینوں کے مذاق کا نوحہ خوان
ہوں۔ مولانا محمد شبلی صاحب نعمانی نے جب الفاروق تصنیف کرنے
کا ارادہ کیا تو جو سرمایہ کتاب میں بہم پہنچانا تھا۔ ہندوستان اُس سے خالی
نظر آیا۔ مجبوراً ترک وطن کر کے غیر ممالک سے سرمایہ اکٹھا کیا۔ جس کتاب
نے ہندوستان کی مٹی میں تولد ہو کر اسی سرزمین میں پرورش پائی ہو آج
ہندوستان میں دیکھو کہیں پتہ نہ چلے گا۔ یورپ کی لائبریریوں میں نگاہ
اٹھا کر دیکھو وہی کتاب انگریزی لباس پہنے جلوہ گر پاؤ گے اس عدم توجہ
کی بدولت بہت سے بیش قیمت علمی خزانے ہندوستان سے رخصت
ہو گئے۔ اور اگر آئندہ احتیاط نہ رکھی اور اسلاف کے خزائن علمی کے
ساتھ یہی بے التفاتی برتی تو ایک دن ہندوستان اس قیمتی لٹریچر سے
جس پر ہم کو بجا فخر و ناز ہو سکتا ہے خالی نظر آئے گا۔ اس نقص کی بدولت
بہت سے مشاہیر قوم و ملک کے کارنامے تو درکنار نام تک ہستی کا جامہ
پھینک کر نیستی میں چھپ گئے۔ ہمارے ان اوراق کا ہیرو ایک ایسا
شخص ہے جس کا نام راس کماری سے لیکر کشمیر تک مشہور ہے۔ جس
وقت مہدی علی خان محسن الملک اس جہان سے چل کر تمام ہندوستان
کے مسلمانوں میں ماتم مچا گئے اُسی وقت سے عہدہ سکرٹری علیگڈھ کالج
کے پُر کرنے کے واسطے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی نگاہیں اطراف و جوانب
ملک میں پڑنی شروع ہو گئی تھیں۔ آخر الامر متفقہ نگاہیں جس شخص پر
وہ ہمارا معزز ہیرو تھا۔ جو بلا اختلاف اس عہدے کے لائق سمجھا گیا ہے
معزز ناظرین اب بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارا یہ اشارہ جناب مولوی
مشتاق حسین صاحب وقار الملک رئیس امروہہ ضلع مراد آباد کی طرف ہے
جو جناب مولوی مہدی علی خان محسن الملک مرحوم و مغفور سابق سکرٹری
مدرستہ العلوم علیگڈھ کی جگہ اب سکرٹری مقرر ہوئے ہیں۔ ان کی ہر دلعزیزی

ا تین ثبوت اِن کا بلا اختلاف سکرٹری ہونا کافی ہے۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ نواب صا
کے حالات زندگی جو اب تک ظہور میں آئے ہیں قوم کے سامنے پیش کریں۔ اسلئے
اوراق پیش کئے جاتے ہیں۔ امید کہ خدمت باحسن الوجوہ ادا کرسکیں گے
سے امید ہے کہ اس لائف کی قدر کرے گی۔ جو حالات ذات ستودہ ص
سے بعد میں ظہور پذیر ہوں گے وہ انشا اللہ العزیز دوسری ایڈیشنوں میں
کر دیئے جائیں گے۔ آخر اس دعا پر دیباچہ کو ختم کرتا ہوں کہ الہ العالمین بہ طفیل
رسول الکریم مدت دراز تک ہمارے سروں پر نواب صاحب کا سایہ
رکھے۔ آمین ثم آمین

نیاز آگین

سکندر علی خاں شیروانی از مہت پور

تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور

ابتدائی حالات

نواب وقار الملک بہادر کا نام مشتاق حسین اُن کے والد ماجد کا نام شیخ فضل حسین دادا کا نام شیخ نجیب علی۔ سگر دادا کا نام محمد مکارم بن محمد یسین بن محمد فرید سنبھلی تک پہنچتا ہے ان کا سلسلہ نسب دیوان عبد المومن خان سنبھلی تک پہنچتا ہے۔ دیوان عبد المومن خان شاہجہان کے اُمراء میں سے تھے۔ یہ بڑے فیاض اور سیر چشم تھے۔ اور مساکین کو بہت زیادہ خیرات دیا کرتے تھے۔ نواب وقار الملک بہادر کا سلسلہ ماں کی طرف سے نواب محمد عاقلخان تک پہنچتا ہے۔ ان کے نانا انور علی بن حکیم محمد منیر تھے۔ حکیم محمد منیر صاحب نہائیت نامی گرامی طبیب تھے۔ ان کا سلسلہ نسب تین پشت میں جا کر نواب محمد عاقل خان سے ملتا ہے۔ نواب محمد عاقل خان عالمگیر بادشاہ غازی کے امراء میں سے تھے نواب وقار الملک کا قبیلہ کنبوہاں محمود غزنوی سے لے کر فرخ سیر کے زمانے تک ہمیشہ ہندوستان میں نہائیت معزز و متفخر اور محسود روزگار رہا ہے۔ امراء۔ اطبا۔ شعرا۔ اور مشائخ میں کوئی طبقہ ایسا نہیں رہا۔ جس کی مشاہیر کی فہرست میں کنبوہ موجود نہ ہوں۔ سلاطین اسلام

کے زمانے میں مختلف دور ہوئے اور مختلف خاندانوں کے قبضے میں ہندوستان کی سلطنت منتقل ہوئی۔ لیکن ہر ایک دور اور ہر ایک زمانہ میں کنبوہوں کا اقتدار قائم رہا۔ مگر زوال سلطنت مغلیہ کے زمانے میں بادشاہوں کی حالت چونکہ خراب ہوگئی اور بد قسمتی سے محمد شاہ رنگیلے کی سلطنت پچاس برس سے زیادہ رہی۔ اس طویل دور میں درحقیقت تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں عام خرابی پیدا ہوگئی۔ اور عمدہ اوصاف قوم سے رخصت ہوگئے۔ دربار کا یہ رنگ دیکھ کر بہت سے عمائد معہ اپنے خاندانوں کے دلی سے ترک وطن کر کے مختلف مقامات کو چلے گئے۔ اس کے بعد سو برس تک ملک میں مسلسل بد امنی رہی۔ کبھی مرہٹوں کا زور ہوتا تھا اور کبھی پنڈاروں کا۔ عمائد اور روسا کو اپنی عزت کا قائم رکھنا دشوار تھا۔ مغلیہ سلطنت کے زمانہ عروج میں جو خاندان اور قبیلہ جتنا زیادہ سربرآوردہ تھا اس بدامنی کے زمانے میں اتنا ہی زیادہ مصیبت میں تھا۔ روسا و تعلقہ داران صوبہ آگرہ و اودھ نے جو اڈریس آخر ۱۹۰۷ء میں ہز آنر لفٹنٹ گورنر کو دیا تھا اُس زمانے کی تصویر دو لفظوں میں کھینچی ہے۔ کہ زمیندار اور دولتمند ہونا سب سے زیادہ جرم تھا۔ سب سے زیادہ مصیبت کی حالت میں کمشنری میرٹھ کے باشندے تھے اور اسی کمشنری میں زیادہ تر قبیلہ کنبوہاں آباد ہے۔ لہذا سو برس تک مسلسل جو مصائب کہ اس بدامنی کے زمانہ میں اس قبیلے کو برداشت کرنے پڑے ہیں۔ اُن کے حالات زیادہ درد انگیز ہیں۔ غرضیکہ اس وقت تک کنبوہوں کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا جب تک لارڈ لیک نے دلی کو فتح نہ کر لیا۔ اور اُس کو مرہٹوں کے قبضے سے نجات نہ دلائی۔ چونکہ کنبوہوں نے زیادہ تر مصائب مرہٹوں کی بدولت اٹھائے تھے۔ لہذا میرٹھ میں نواب فتح علی خان کنبوہ نے لارڈ لیک کو ہر طرح مدد دی۔ اور انگریزی عملداری میرٹھ میں قائم کرانے کے باعث نواب

فتح علی خان ہوئے۔ چنانچہ ان کے خاندان میں لارڈ لیک کے ہاتھ کی لکھی ہوئی سند اب تک موجود ہے۔ جس میں اس امر کا اعتراف کیا گیا ہے کہ میرٹھ پر نواب فتح علی خان کی وجہ سے سرکار انگریزی کا قبضہ ہوا غرضیکہ سلطنت مغلیہ کی خرابی کے زمانے میں نواب وقار الملک بہادر کی والدہ ماجدہ کے مورث اعلےٰ دہلی سے ترک وطنی کر کے امروہہ میں آباد ہوئے اور یہی سبب ان کا امروہہ میں متوطن ہونے کا ہوا۔

شاہ جہاں کے نام شاہِ ایران کا خط

شاہجہاں کے وزیر اعظم نواب سعد اللہ خان دربار شاہی میں باریاب ہونے سے قبل دیوان عبد المومن خان (مورث اعلےٰ نواب وقار الملک) کے لڑکوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ مؤلف المشاہیر کا بیان ہے کہ صاحب مدحت مقال نے لکھا ہے کہ بادشاہ ایران نے شاہجہاں کو خط لکھا تھا کہ جہان میں بہت سے ملک اور کثیر التعداد سلاطین ہیں۔ تم جمیع اقالیم کے فرمانروا کب ہو۔ کہ شاہجہاں اپنا لقب رکھا۔ بادشاہ کو تردد ہوا۔ امراء کو حکم ہوا کہ اس کا جواب لکھیں۔ عبد المومن خان صاحب متفکر تھے۔ ان کو حالت تشویش میں دیکھ کر سعد اللہ خان نے وجہ تشویش دریافت کی۔ انہوں نے حقیقت حال بیان کی تو سعد اللہ خان نے کہا کہ آپ مجھے بادشاہ کے حضور میں لے چلیں میں جواب لکھ دوں گا۔ چنانچہ اگلے دن یہ سعد اللہ خان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ سعد اللہ خاں نے کہا کہ جہان کے اور ہند کے عدد برابر ہیں لہٰذا یہ جواب لکھ دیا جائے کہ شاہجہان سے مراد شاہ ہند ہے۔ بادشاہ نے یہ جواب پسند فرمایا اور سعد اللہ خان کو خلعت اور اسپ خاصہ عنائیت ہوا اس کے بعد منصب ہزاری اور دو لیت سوار۔ اور خطاب خانی اور عہدہ

عامہ و نگی دولت خانہ خاص عنائیت ہوا۔ اور رفتہ رفتہ ترقی پاکر سعد اللہ خان
شاہجہان کے وزیر اعظم مقرر ہوئے +

سعد اللہ خان کی قدرِ شناسی

نواب سعد اللہ خان کی قدر شناسی کو دیکھنا چاہئے کہ وزیر اعظم ہو کر عبد المومن
خان کو دیوان کا عہدہ عطا کیا۔ یہ عہدہ اس زمانے میں بعد وزیر اعظم کے تھا
اور ان کے دونوں لڑکوں کو جو سعد اللہ خان کے شاگرد تھے۔ اپنی ماتحتی
میں عہدے دلوائے۔ چنانچہ محمد جہانگیر خان بڑے بیٹے کو دیوان تن کا عہدہ
دلوایا۔ جس کے سپرد جمع و خرچ سالانہ و عطائے جاگیرات و ترقیات مناصب
ہوتے تھے۔ وزیر جنگ اور صادر الصدور کا عہدہ جس کے متعلق امور قضا
و استفتا و احتساب و قواعد معافی و مدد معاش تھا وزیر تن کے ماتحت ہوتے
تھے۔ دوسرے بیٹے محمد انور خان کو دیوان خالصہ کا عہدہ دلوایا جس کے سپرد
در آمد و بر آمد و اہتمام خزانہ تھا۔ اگر کوئی کمینہ خصلت شخص ہوتا تو وہ سب سے
پہلے دیوان عبد المومن خان کی بیخ کنی کی فکر کرتا۔ تاکہ اس کی نظروں میں ذلیل
نہ رہے لیکن چونکہ سعد اللہ خان ایک شریف انسان تھا اس نے حق نمک
اور احسان کا بدلہ نیکی سے ادا کیا اور اپنے آقا کے ساتھ اور اس کی اولاد کے
ساتھ جو سلوک سب سے زیادہ کر سکتا تھا۔ وہ کیا۔ دیوان عبد المومن خان شاہ
عبد الرحمن سنبھلی کے مریدان خاص میں سے تھے اور باوجود امارت و حشمت
کے ان کی فرصت کا وقت یادِ الٰہی میں صرف ہوتا تھا۔

نواب وقار الملک کے والد کا انتقال

نواب وقار الملک بہادر کی عمر چھ ماہ کی تھی کہ والد نے انتقال کیا۔ ایک حقیقی
چچا شیخ ولائت حسین جو سنبھل میں رہتے تھے۔ جائداد کا انتظام انھوں نے اپنے
ذمہ لیا اور بچے کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا اہم فرض بیوہ ماں کے سپرد ہو
ان کی والدہ اگرچہ بے پڑھی بی بی تھیں حتےٰ کہ قرآن شریف بھی نہ پڑھا تھا۔
لیکن نواب صاحب کے بچپن کے جو حالات ہم نے سُنے ہیں۔ اُن سے
معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کی تربیت میں نہائت اعلےٰ قابلیت رکھتی تھیں۔ ج
اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ مسلمانوں کے شریف خاندانوں کی بیبیاں باوج
تعلیم نہ ہونے کے کیسے اعلےٰ اوصاف اور عمدہ اخلاق کی ہوتی تھیں۔ جس
کی تصویر سرسید نے اپنے ایک لیکچر میں کھینچی ہے۔ جب نواب صاحب
لڑکے تھے اور مکتب میں پڑھتے تھے۔ اُس وقت شفیق ماں اپنے پیا
بیٹے کو نصیحت کرتیں کہ جو لڑکا سبق اچھی طرح یاد کر لیتا ہے اُس کو شاباس
ملتی ہے۔ اور میری رہتا ہے۔ ہونہار بیٹے کے دل پر ماں کی نصیحت
کا یہ اثر ہوا کہ وہ مکان پر بیٹھ کر سبق یاد کرتے۔ اور ماں کو سبق سُناتے
اگر کہیں اٹکتے تو ماں کہتیں کہ ابھی اچھی طرح سبق یاد نہیں ہوا۔ دس مرتبے
اور پڑھ لو۔ اس کے بعد پھر سنتیں۔ اگر فر فر پڑھتے تو شاباس کہہ کر چھٹی دیتیں
اگر پھر بھی پڑھنے میں اٹکتے تو چمکار کر کہتیں کہ پانچ مرتبے اور پڑھ لو۔

پتنگ اڑانے کی درخواست

بیٹا جب فرمائش کرتا کہ بُوا (اپنی والدہ کو بُوا کہتے ہیں) اور لڑکے پتنگ اڑاتے ہیں۔ ہمیں بھی پتنگ اور ڈور منگا دو۔ ماں جواب دیتیں کہ اچھا اس شرط پر پتنگ منگوا دونگی کہ گھر کے آنگن میں اُڑانا اور باہر نہ جانا بیٹا جب اقرار کرتا تو ماں پتنگ ڈور اور چرخیا منگا کر دیتیں۔ عصر کی نماز کے بعد مکان کے صحن میں نواب صاحب پتنگ اڑاتے۔ جب مغرب کی نماز کا وقت قریب آتا تو ماں تاکید کرتی۔ کہ میاں اب نماز کا وقت آیا۔ اب پتنگ اُتار لو۔ بیٹا پتنگ اتارتا اور ماں چرخیے پر ڈور لپیٹی جاتیں اور پتنگ اور ڈور حفاظت سے رکھ دیتیں اور بیٹے کو نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں بھیج دیتیں۔ بیٹا کہتا کہ بُوا جس طرح اور لڑکے کوٹھے پر چڑھ کر پتنگ اُڑاتے ہیں۔ ہم بھی کوٹھے پر چڑھ کر پتنگ اڑائیں۔ ماں جواب دیتیں کہ کوٹھے پر چڑھو گے۔ اور پتنگ کی طرف نظر ہو گی اگر پیر پھسل جاوے گا تو لنگڑے ہو جاؤ گے۔ اور دوسرے لوگوں کی جو پتنگ اڑاتے ہوئے جان سے مرے یا جن کی ٹانگ ٹوٹی اور لنگڑے ہوئے نظیر دیتیں اور اس طرح بجائے سختی کے محبت اور نرمی سے بیٹے کو کوٹھے پر چڑھ کر پتنگ اڑانے سے روکتیں۔ بیٹا کہتا تھا کہ بُوا ہم اور لڑکوں سے پیچ لڑا دیں؟ ماں جواب دیتیں کہ نہیں میاں پیچ لڑانا بری بات ہے اس سے لڑکوں میں گالی گلوچ ہوتی ہے۔ جو لڑکے گالی سنکر گالی دیتے ہیں اُن کی زبان گندی ہو جاتی ہے اور جو لڑکے گالی سن کر خاموش ہو جاتے ہیں وہ گویا مفت میں گالی کھاتے ہیں۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ لڑکے تجھے گالیاں دیں۔ اور تم سنو۔ یا اُن کی ماں بہن کو گالی دے کر زبان گندی کرو۔ سعید بیٹے کے دل پر اثر ہوتا۔ وہ اپنے ارادے

سے باز رہتا۔ اسی طرح گلی ڈنڈا اور گیند بلا اپنے گھر کے صحن ہی میں کھیلتے ماں کی نصیحت تھی کہ ہر ایک چھوٹے بڑے کو پہلے خود سلام کرنا چاہیئے غرضیکہ نواب وقار الملک بہادر کے اخلاق میں بہت کچھ حصّہ ماں کی تربیت کا شامل ہے۔

نواب وقار المُلک کی تعلیم

انہوں نے قدیم طریقے کے موافق مکاتب میں فارسی کی پوری تعلیم پائی۔ عربی میں اگرچہ دستار فضیلت نہیں بندھی لیکن پہلے زمانے میں چونکہ فارسی زبان کی تکمیل کے لئے عربی زبان کی تعلیم لازمی تھی۔ لہذا انہوں نے عربی پڑھی۔ خط میں جو پختگی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے مکتب میں خوشنویسی کی طرف خاص توجہ کی ہے۔ تعلیم میں انگریزی سے نواب صاحب اُتی ہیں۔ کیونکہ اُس زمانہ میں جو اُن کی طفولیت اور پڑھنے کا تھا۔ ہندوستان میں انگریزی کا چرچا بہت کم تھا اور اکثر [illegible] اُس کے پڑھنے کی طرف مائل نہ تھے۔

مُلازمت

انہوں نے ابتدائی ملازمت کس تنخواہ کی شروع کی اور ابتداءً کہاں ملازم ہوئے افسوس کہ معلوم نہ ہو سکا لیکن اس قدر معلوم ہوا کہ یہ ایک زمانہ میں بجنور میں ملازم تھے۔ اس کے بعد یہ علیگڈھ کی سب ججی میں ملازم ہو گئے۔ یہاں سرسید سب جج تھے۔ غالباً انہوں نے ان کو خود ملازم کرایا یا کسی دوسرے نے۔ لیکن سرسید کے اجلاس میں تھے۔ اور سرسید

ان کو مثل اپنی اولاد کے رکھتے تھے۔ سرسید کی ان کے ساتھ ابتدائی
خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ ان کا پھوپھا اور خسر منشی امام الدین صاحب مرحوم
ڈپٹی کلکٹر اُس زمانے میں مراد آباد کے تحصیلدار تھے۔ منشی امام الدین مرحوم
اور ان کے چچازاد بھائی شیخ تاج الدین مرحوم جو اُس زمانے میں مُرادآباد
کے کوتوال تھے چونکہ ایّامِ غدر میں گورنمنٹ کے خیرخواہ رہے تھے اور ان
دونوں بھائیوں کی وجہ سے مُرادآباد میں باغیوں کا قبضہ نہ ہونے پایا تھا اور
سرسید مسلمان خیرخواہان سرکار کے حالات جمع کر رہے تھے۔ اس وجہ سے
اور نیز اس سبب سے کہ سرسید ایامِ غدر میں حافظ حامد حسین خان صاحب آنریری
مجسٹریٹ میرٹھ کے والد منشی الطاف حسین خان صاحب کے یہاں جاکر
معہ اپنے خاندان کے جاکر رہے تھے۔ اور کمبوہوں سے ذاتی دوستی
پیدا ہوگئی تھی۔ اور چونکہ اُس زمانہ کے شریف مسلمانوں کی یہ عادت تھی کہ
دوستوں کے عزیزوں کے ساتھ دوستی یا خوردی بزرگی کا برتاؤ مثل اپنے
عزیزوں کے کیا جاتا۔ سرسید سے اور منشی امام الدین صاحب مرحوم سے
ذاتی دوستی بہت زیادہ ہوگئی۔ اور اس تعلق کی وجہ سے سرسید نے نواب
وقار الملک بہادر کے ساتھ مثل اپنے عزیزوں کے برتاؤ کیا۔ لیکن جب
سرسید کو ان کی محنت و جفاکشی کام میں انہماک اور سب سے بڑھ کر ان کی
دیانت داری اور تقوے کا تجربہ ہوا تو روز بروز محبت زیادہ ہوتی گئی
کیونکہ اُس زمانے میں ایسے آدمی بہت کم تھے جو رشوت نہ لیتے ہوں۔ ہندوستانی
درکنار یورپین بھی بہت تھوڑے تھے جو اس سے مستثنیٰ ہوں۔ سوسائٹی میں رشوت
لینا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا حتےٰ اگر کسی ملازم سے یہ سوال کرنا کہ اوپر کی آمدنی
کتنی ہے۔ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی تھی۔ ایسے زمانہ میں جب سرسید
نے نواب وقار الملک کو دیانت دار پایا تو بہت زیادہ قدر کرنے لگے۔

سرسید کے خیالات کا عکس

وقار الملک پر

اس زمانے میں وقار الملک کو سرسید کے خیالات سے واقف ہونے کا موقعہ ملا۔ اور سرسید کے دل میں جو قوم کا درد تھا۔ اس کا عکس ان پر بھی پڑا۔ اور اُسی وقت سے یہ سرسید کے کاموں میں شریک ہو گئے۔ اُس وقت سرسید نے سائنٹفک سوسائٹی قائم کی تھی اور اس کی ترقی میں مصروف تھے۔ مولوی مشتاق حسین صاحب بھی اس کے ممبر تھے اور یہ سوسائٹی کے کاموں میں بہت زیادہ سرگرمی کے ساتھ مصروف رہتے تھے۔ ان کی سرگرمی کی وجہ سے ایک زمانہ میں اخبار سائنٹفک سوسائٹی کے جو اس وقت سوسائٹی کی طرف سے نکلتا تھا۔ مہتمم بھی رہے۔ اور اخبار مذکور میں اکثر مضامین بھی لکھتے تھے۔ سوسائٹی کا مقصد تھا۔ کہ انگریزی زبان کی کتابوں کا اُردو ترجمہ کرا کے شایع کرائے۔ نوابصاحب انگریزی نہ جانتے تھے۔ اور اُس وقت جو ہندو صاحبان انگریزی جانتے تھے اول تو اُن کی تعداد کم تھی اور جو تھے وہ اُردو اچھی طرح نہ جانتے تھے۔ کیونکہ عموماً بنگالی اس صوبے میں انگریزی خواں تھے۔ جن کی اُردو نہایت خراب تھی۔ اُنھوں نے نپولین بونا پارٹ کی سوانحمری کا ترجمہ اس طرح کیا کہ ایک انگریزی خواں سے کتاب پڑھوا کر سنتے اور خود اپنی زبان میں اُس کو لکھتے جاتے۔ اس طرح جب ترجمہ ہو چکا تو اس کو طبع کرا دیا گیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط کہ شاہان وقت کے نام روانہ کئے تھے سب کو جمع کر کے اپنے صرف سے شایع کرائے اور اُس کی کل جلدیں مدرسۃ العلوم

کو دیدیں۔ جب سرسید نے ترقی تعلیم کی اسکیم پر غور کرنا اور محمڈن کالج کے قایم کرنے کے منصوبے باندھنے شروع کئے۔ یہ ابتدا سے اس تجویز میں سرسید کے بائیں بازو بنے رہے چنانچہ سرسید نے جو انعامی مضامین مسلمانان ہند کے تعلیم نہ پانے کے اسباب کی بابت لکھوائے کل ۳۲ مضامین لکھے گئے۔ اور ۳ مضامین پر انعام تجویز ہوا۔ چنانچہ ان کا مضمون درجہ دوم کے انعام کا مستحق قرار پایا۔ جب سرسید نے تہذیب الاخلاق جاری کیا ہے یہ بھی مضامین لکھتے تھے۔ غرضیکہ سرسید کے فیض صحبت سے انہیں مسلمانوں کی تعلیم کا خیال پیدا ہوا۔ اور زمانہ کی ضروریات سے آگاہی ہوئی۔ اور وہ دردخواہی قوم کی نسبت سرسید احمد خاں مرحوم ومغفور کی رگ رگ میں ساری تھا اُس کا ایک معقول حصہ مولوی مشتاق حسین کے سینے میں منتقل ہوگیا۔ اور اسی درد قومی کے طفیل آج نواب صاحب چھ کروڑ مسلمانان ہند کے جائز سردار ہیں +

نماز کی پابندی اور ملازمت سے استعفےٰ

نواب وقار الملک بہادر چونکہ نماز کے ہمیشہ سے پابند ہیں حتےٰ کہ تہجد اور چاشت کی نماز بھی ناغہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایام ملازمت میں یہ برابر ظہر کی نماز کچہری کا کام ترک کر کے پڑھتے تھے۔ اُس وقت مسٹر کالون صاحب علیگڈھ کے مجسٹریٹ وکلکٹر تھے۔ اُنہوں نے اس امر کو پسند نہ کیا کہ کام کا ہرج ہو اور وہ سرشتہ دار کے انتظار میں بیٹھے رہیں۔ اُنہوں نے کہا یا نماز پڑھو یا نوکری کرو۔ یہ سُن کر اُنہوں نے استعفےٰ داخل کیا۔ اور سرسید کو بمقام

بنارس اس واقعہ کی اطلاع دی۔ سرسید نے لکھا نماز نہ پڑھنا گناہ ہے لیکن بوجہ کسی خوف یا لالچ یا دباؤ کے نماز نہ پڑھنا کفر ہے ایسی نوکری پر لات مارنا چاہیئے۔ سرسید کا یہ خط "حیات جاوید" میں چھپا ہے۔ جب یہاں سے مستعفی ہوئے تو سرسید نے سپہ سالار جنگ اوّل سے ان کی سفارش کی۔ اور جو خط سفارش میں لکھا اُس میں تحریر کیا کہ جس شخص کی ایمانداری اور دیانتداری پر مجھے اپنی دیانت داری سے زیادہ اعتبار ہے وہ مولوی مشتاق حسینؔ ہیں پہلے ان کی تنخواہ حیدر آباد میں پانچسو روپیہ ہوئی۔ اور اس کے بعد آٹھ سو اور پھر بارہ سو۔ اور زاں بعد اٹھارہ سو روپیہ تنخواہ ملنے لگی اور ریاست کے مختلف عہدوں پر رہے۔ بعد میں ۲۳ سو تنخواہ ہوگئی تھی۔ ایک دفعہ یہ کسی پولیٹیکل معاملے کی وجہ سے حیدر آباد سے چلے آئے تھے۔ وہاں سے آکر اُنہوں نے علیگڈھ میں اپنا قیام کیا۔ اور بورڈنگ ہوس کا انتظام اور بورڈوں کے اخلاق کی نگرانی اپنے ذمّے لی۔ اُس زمانہ میں یہ بورڈنگ ہوس میں رہتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ پھر حیدر آباد میں بلائے گئے اور جس قدر زمانہ تک یہ وہاں سے علیحدہ رہے تھے سب کی تنخواہ ملی۔ حیدر آباد میں ان کے مخالف بھی ان کی دیانت داری۔ راست بازی۔ ریاست کی خیر خواہی اور محنت و مستعدی کے مدّاح تھے۔ سالار جنگ کے وقت میں انتصار جنگ بہادر کا خطاب ملا تھا۔ سر آسمان جاہ جب وزیر ہوئے تو ان کی ذات پر اُن کو بہت زیادہ اعتبار تھا اور ریاست کے کل انتظام اُس وقت ان کے صلاح و مشورے سے طے ہوتے تھے۔ ان کے تدبّر اور عمدہ صفات کا حیدر آباد میں شہرہ ہوگیا تھا۔ دیانت داری و راست بازی تو نواب صاحب کی ضرب المثل تھی۔

مشتاق حسینؒ وقار الملک کیسے بنے

مارچ ۱۸۹۰ء میں انکو نواب وقار الملک وقار الدولہ بہادر کا خطاب ملا۔ اور تنخواہ میں اضافہ ہوا۔ ان کے زمانے میں ریاست کے جاگیرداروں کا زبردست طبقہ ان کے خلاف ہوگیا۔ سبب یہ تھا کہ بہت سے جاگیرداروں نے جاگیر سے زیادہ دیہات پر قبضہ کر رکھا تھا۔ انہوں نے ایک کمیشن مقرر کرائی تاکہ وہ تحقیقات کرے اور جو دیہات جاگیر سے زیادہ جس جاگیردار کے قبضے میں ہوں وہ واپس لئے جاویں۔ ہر ایک جاگیردار کی اسناد اور حسابات دیکھے جاویں اس کی وجہ سے اُن کے خلاف جاگیرداروں میں عام ناراضگی پیدا ہوئی۔ ریاست میں بہت سے عہدہ دار ایسے تھے جو کام کو اُس مستعدی سے انجام نہ دیتے تھے جس طرح انگریزی عملداری میں دیئے جاتے ہیں۔ اُنہوں نے نہائیت سختی کے ساتھ ہر ایک محکمہ کی حالت کی اصلاح کی۔ اور ہر شخص مجبور ہوا کہ اپنے فرائض منصبی کو پوری مستعدی کے ساتھ انجام دے اس وجہ سے عہدہ داروں میں ان کی مخالفت شروع ہوئی۔ ایک اہم معاملہ ہیرے کا مقدمہ تھا۔ جس میں ایک یہودی جوہری نے حضور نظام کو دھوکہ دیا تھا۔ جس میں حضور نظام کی بھی شہادت ہوئی۔ چونکہ حضور نظام کی شہادت ہونا ریاست کے دستور کے خلاف تھا۔ اور ایک بالکل نئی بات ہوئی۔ لہذا وہاں کے لوگوں کو عام مخالفت ہوئی۔ بعض معاملات کی وجہ سے درمیان سرکار نظام و گورنمنٹ ہند پیچیدگیاں واقع ہوئیں۔ انہوں نے بلا کسی خوف کے سرکار نظام کے فوائد کو ملحوظ رکھا

چونکہ امراء حیدرآباد میں باہمی مخالفت تھی سرخورشید جاہ بہادر چاہتے تھے کہ وزارت مجھے ملے اور سرآسمان جاہ بہادر کو زک ہو۔ لہذا مولوی مہدی حسن نواب فتح نواز جنگ کا مشہور مقدمہ دائر ہوا۔ اور انجام کار نواب فتح نواز جنگ اور مولوی اقبال علی حیدرآباد کی ملازمت سے علیحدہ کئے گئے۔

ریاست کی ملازمت سے استعفیٰ

نواب وقار الملک بہادر نے امراء ریاست کی ناچاقیوں کا یہ رنگ دیکھکر استعفیٰ دیدیا۔ باوجودیکہ سرآسمان جاہ ان کو اپنے سے جدا کرنا نہ چاہتے تھے لیکن انہوں نے کہہ سن کر ان کو راضی کر لیا۔ جب کہ ان کا حیدرآباد میں دور تھا۔ تو ان کے اور نواب محسن الملک کے طریقۂ کارروائیوں میں چونکہ اختلاف تھا۔ لہذا باوجود اس امر کے کہ دونوں میں پرائیویٹ دوستی اور یگانگت بہت زیادہ تھی۔ اور ایک دوسرے کی قابلیت کا مداح تھا۔ لیکن پولیٹیکل معاملات میں دونوں میں سخت اختلاف تھا۔ لہذا نواب محسن الملک بہادر نے کئی دفعہ استعفا دیا لیکن انہوں نے استعفیٰ منظور نہ ہونے دیا۔ اور جب یہ ۱۸۹۲ء میں حیدرآباد سے مستعفی ہو کر آئے ہیں۔ تو سرآسمان جاہ سے یہ کہہ آئے کہ میرے بعد جس شخص پر آپ کو اعتبار اور بھروسہ کرنا چاہئیے وہ نواب محسن الملک بہادر ہیں چنانچہ اپنے کام کا چارج اپنے سامنے نواب محسن الملک بہادر کو دلوا کر وہاں سے واپس آئے۔ لیکن اس کے بعد بھی حیدرآباد کی سازشی کارروائیوں کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ نواب محسن الملک بہادر کی پنشن ہوئی اور سرآسمانجاہ سے وزارت کا عہدہ لے لیا گیا اور نواب وقار الامراء وزیر مقرر ہوئے لیکن اس کے بعد بھی سازشی سلسلہ برابر جاری رہا۔ غرضیکہ نواب وقار الملک بہادر کی آٹھ سو روپیہ ماہوار کی پنشن مقرر ہوئی انہوں نے اپنے قیام حیدرآباد میں

اپنے عزیزوں اور دوستوں کو جگہ دلوانے میں زائد از ضرورت احتیاط سے کام لیا۔ باوجودیکہ بکثرت اعزا کو اپنے پاس سے تنخواہیں دیتے تھے لیکن ان کو نوکر کرانا ایمان داری کے خلاف سمجھا۔ صرف ۴۔۵ عزیز حیدرآباد جا پڑے اور نواب محسن الملک وغیرہ دوستوں سے تھے۔ تو انہوں نے ان کے عزیزوں کو نوکریاں دلوائیں ؎

پولٹکل پیچیدگی

جب کہ حیدرآباد میں ان کا زمانہ عروج پر تھا۔ یہ سخت مصیبتوں میں مبتلا ہوئے۔ سب سے پہلے ۱۸۸۹ء میں کالج کے ایک معاملے نے ان کو پیچ و تاب دلایا۔ وہ معاملہ سرسید کے بعد لائیف سکرٹری مقرر ہونے کا تھا۔ مولوی سمیع اللہ خان اور ان کے بعض دوست اس کے خلاف تھے۔ چونکہ سرسید کی طبیعت میں یہ خاصا تھا۔ جیسا کہ ہر ایک بڑے اور نامور شخص کی طبیعت میں بات عموماً پائی جاتی ہے کہ جس کام کو وہ ایک دفعہ اپنے نزدیک مفید سمجھ لیتے تھے پوری قوت سے کر دیتے تھے کہ اس میں کامیابی ہو۔ چنانچہ سرسید نے سید محمود کی قابلیت و وجاہت اور کالج کے ساتھ دلی محبت دیکھ کر اس امر کا فیصلہ کر لیا تھا کہ میرے بعد کالج کو سب سے بہتر حالت پر چلانے والا سید محمود ہوگا۔ ایسی حالت میں سرسید کو اپنے دوستوں کی مخالفت سخت ناگوار تھی۔ اور جو مباحثہ ہوا وہ بھی بہت سخت تھا۔ یہ حالت دیکھ کر سرسید کے بہت سے دوستوں اور کالج کمیٹی کے ممبروں نے یہ سمجھ کر کہ سرسید چونکہ کالج کے بانی ہیں وہ ہم سے بہتر کالج کے معاملات کو سمجھتے ہیں ہم سے زیادہ ان کو کالج کی ترقی و بہبودی کا خیال ہے سرسید کی موافقت میں ووٹ دیئے۔ بعض دوستوں نے باوجود اس علم کے کہ سید محمود کی نشینی کا مسئلہ اس وقت طے ہونا مناسب نہیں ہے محض

سرسید کی ذاتی دوستی یا وجاہت کی وجہ سے اور بعض نے اس خیال سے
کہ اگر سرسید کی رائے کے موافق یہ تجویز اس وقت پاس نہ ہوئی تو وہ کالج کے
کام کو چھوڑ دیں گے۔ جس سے کالج کو سخت نقصان پہنچیگا۔ تائیدی ووٹ
بھیج دیئے۔ دوسری جانب مولوی سمیع اللہ خان اور اُن کے احباب نہائیت
زور شور کے ساتھ تمام مسودۂ قانون کی مخالفت کر رہے تھے۔ نہ صرف
یہ تھا بلکہ سرسید کے کاموں کے نقص دکھلا رہے تھے۔ یہ زمانہ نواب وقارالملک
کیلئے نہائیت نازک تھا۔ ایکطرف سرسید کی عظمت و وقار اور ان کی قومی محبت
کا خیال۔ اس پہ سرسید کی بزرگانہ شفقتیں اور انکی اپنی ذات پر احسانات
یہ عام باتیں ایسی تھیں جو سرسید کی مخالفت کرنے سے باز رکھتی تھیں۔ دوسری
طرف اپنا کانشنس اور ایمانداری تھی جو ان کی مخالفت پر آمادہ کرتی تھی
لہذا پہلے اُنہوں نے پرائیویٹ خط وکتابت سے اس معاملے کو طے کرنا
چاہا۔ جب کچھ نتیجہ نہ نکلا تو اپنی رائے ایک پمفلٹ کے ذریعے شائع کی اس
پمفلٹ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہائیت مجبوری کی حالت میں گو
یہ رائے دی گئی ہے۔ چنانچہ دفعہ ۲۷ میں وہ لکھتے ہیں "میری خود کبھی ہمت
نہ پڑتی کہ میں اس آزادی سے اپنی رائے لکھتا اگر مجھ کو یہ خوف نہ ہوتا۔ کہ
ایک دن مرنا ہے اور خدا کے سامنے اپنے اعمال کا جواب بھی دینا ہے اگر
ایک خدا کا گناہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ اس سے توبہ کریں اور وہ اپنی
رحیمی سے بخش دے۔ انسانوں کے متعلق اگر ایک دو کی خطا ہو جائے
تو ان سے معذرت کر کے صفائی کر سکتے ہیں لیکن قوم اور ملک کا گنہگار
کس کس سے اور کہاں کہاں تک اپنا گناہ بخشواتا پھرے گا۔ تمام عمر بھی
اگر صرف ہو جائے تو عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ دفعہ ۲۴ و ۲۵ میں لکھتے ہیں
"سید صاحب یہ تو قبول کریں گے۔ کہ جو محبت اور فکر ان کو اپنی قوم کیساتھ
ہے اس سے بہت زیادہ محبت اور فکر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی

اُمّت کے ساتھ تھی سیّد صاحب کے سامنے صرف ایک کالج کا فکر ہے لیکن میں اُس عقیدہ اہلِ سنت والجماعت کے ساتھ جو میرا اور سر سیّد صاحب کا یکساں ہے ۔ اِن کی توجہ اُس بات میں چاہتا ہوں کہ آخر اُنہوں نے کیا کیا ۔ یہی کیا کہ خلافت کا مسئلہ اُمّت ہی پر چھوڑا ۔ اور خدا جو ایک ایسے جمہوری کام میں ایسی ولیعہدیوں کے نتیجے سے بخوبی واقف تھا اُس نے بھی کوئی وحی نبیؐ کو اس بات میں نہیں بھیجی کہ اپنے جانشین کا معاملہ نبیؐ کو اپنے سامنے طے کرنا چاہیئے ۔ یہ فقرہ جواب میں لکھتا ہوں کبھی بھی نہ لکھتا اگر مجھکو خوف نہوتا کہ میرے دلائل جو میں نے اُوپر بیان کئے ہیں صرف اس قدر کہنے سے غلط ثابت ہو جائیں ۔ کہ سیّد صاحب نے بھی مسئلہ خلافت کو اُمّت نبیؐ پر چھوڑا ہے جس کو اُنہوں نے تصفیے کے کالج و کمیٹی کے ممبروں کے سامنے رکھ دیا اور یہ کہہ دیا کہ اخیر تصفیہ ممبروں کی کثرت رائے پر منحصر ہوگا ۔ مگر یہ عذر صحیح نہ ہوگا ۔ سیّد صاحب نے کم از کم اسقدر کوشش تو ضرور کی ہے کہ یہ مسئلہ ان کے سامنے بھی طے ہو جائے ۔ حالانکہ اس قدر بھی ان کو اُس اعلےٰ درجے کی وجاہت کی وجہ سے مناسب نہ تھا جس کی ہم سب لوگ ابتدا سے قدر کرتے چلے آتے ہیں ۔ کیونکہ آنکھوں کی مروت اور پیٹھ پیچھے کی بات میں بہت فرق ہوتا ہے ۔ اس وقت یہ بات ممکن ہے کہ جو لوگ سیّد محمود صاحب کو سکرٹری کے عہدے کے قابل نہ بھی سمجھتے ہوں وہ طاظاً رائے دیدیں ۔ سیّد صاحب کے بعد یہ احتمال جاتا رہیگا ۔ اس وقت جو فیصلہ ہوگا ۔ وہ بالکل آزادی کا فیصلہ ہوگا جو اس شخص کیلئے بھی کہ جس کے حق میں یہ فیصلہ ہو البتہ ایک عزت کی بات ہوگی ؎ تاہم اس پمفلٹ میں انہوں نے مسٹر بیک اور راوریورمین سٹافٹ کی خدمات اور ان کی طلبائے کالج کے ساتھ ہمدردی اور سیّد محمود کی بے انتہا قابلیت کا اعتراف کیا ۔ جس پر سر سیّد نے مسٹر بیک کو دسمبر ۱۸۸۹ء کے اجلاس میں یہ کہہ کر مبارکباد دی تھی کہ نواب وقار الملک جیسا ایماندار اور راست باز شخص ان کی خدمات کی تعریف کرتا ہے ۔ حالانکہ مولوی سمیع اللہ

خان وغیرہ مسٹر بیک اور یورپین اسٹاف کے کالج میں دخیل ہونے کی مخالفت کر رہے تھے - بہر حال مسودہ قانون پاس ہوا اور مولوی سمیع اللہ خان صاحب بہادر سی - ایم - جی اور ان کے تمام دوستوں نے اور ان لوگوں نے جنہوں نے اس مسودہ سے انکار کیا تھا - کالج کی ٹرسٹی شپ سے استعفےٰ دیدیا اور آئندہ کالج کی امداد سے کچھ تعلق نہ رکھا - برخلاف اس کے نواب وقار الملک بہادر نے نہ کالج کی ٹرسٹی شپ سے استعفےٰ دیا اور نہ اس سے بے تعلق ہوئے - بلکہ پہلے سے زیادہ امداد پر آمادہ ہوئے اور سر سید کو حیدر آباد بلا یا دعوت کا نقد روپیہ دیا - کہ یہ غریب طلباء کے وظیفے میں دیا جاوے - ایک ہزار ماہانہ کی جاگیر میں اضافہ کرایا اور یہ طے کیا کہ تمام ملازمین ریاست ایک ایک ماہ کی تنخواہ دیں اگر پولیٹیکل پیچیدگیاں پیدا نہ ہو جاتیں تو کالج کو بہت بڑی امداد ملتی - نواب وقار الملک بہادر کا قول ہے کہ کسی مسئلہ میں جب تک کہ وہ طے نہ ہو جاوے - ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ پوری قوت صرف کرے - کہ اس کی رائے کے خلاف فیصلہ نہ ہو - لیکن جب کوئی امر ہماری رائے سے طے ہو جاوے تو اس فیصلہ کی عزت کرے اور تمام پچھلے اختلافات کو فراموش کر دے -

خانگی صدمات

قصہ مختصر جب اس آزمائش میں کامیاب ہوئے تو دوسرا تردد انکو یہ پیش آیا کہ ان کا اکلوتا بیٹا مرحوم محمد احمد جو بیرسٹری میں کامیاب ہو چکا تھا - اور ہنوز ولائیت سے واپس نہ آیا تھا اس نے وہاں ایک میم سے شادی کرنی چاہی - محمد احمد کی نسبت اپنی خالہ کی لڑکی سے ہو چکی تھی - بیٹے کے اس ارادے سے اطلاع پا کر جو کچھ کوفت اور تردد نواب صاحب کو ہوا اس کا اندازہ ہر شخص بطور خود کر سکتا ہے - ہر چند بیٹے کو فہمائش کی - لیکن جب کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی تو تن بہ تقدیر بیٹے کو نکاح کرنے کی اجازت دی - چنانچہ ۱۸۹۱ء میں مس پرفیم سے نکاح ہوا - اور لوریول کی مسجد میں مولوی رفیع الدین احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لاء نے نکاح پڑھایا - نکاح کے بعد بیٹا معہ بہو کے واپس آیا - باپ نے بہو کی ہر طرح

خاطر و مدارات کی اور بیٹے نے بنگلور میں بیرسٹری کا کام شروع کیا۔ اس کے بعد حیدرآباد میں پولٹیکل جھگڑے شروع ہوئے اور یہ سخت آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن انہوں نے یہ رنگ دیکھکر پنشن کی درخواست دی اور ۱۸۹۲ء میں وہاں سے واپس آئے یہاں آکر ایک جوان بیٹی کا انتقال ہوا۔ جس نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے بعد ازاں یہ تجویز ہوئی۔ کہ محمد احمد مرادآباد میں رہکر بیرسٹری شروع کریں۔ چنانچہ مرادآباد میں ایک بنگلہ لے لیا گیا تھا اور فرنیچر سے آراستہ کیا جارہا تھا کہ بنگلور سے محمد احمد کی سخت بیماری کا حال سُن کر وہاں گئے۔ بیٹے نے وہاں پر ۱۸۹۶ء میں انتقال کیا اس کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر معہ بہو اور پوتی کے امروہہ آئے پوتی کی وجہ سے بہو کی ہر ایک خاطر و مدارات میں مصروف ہوئے۔ اس میں شک نہیں کہ مسز محمد احمد ایک نیک اور شریف طبیعت کی بی بی ہیں اور نواب صاحب کی خاطر و مدارات نے اُس پر اس قدر اثر کیا کہ ان کے مکان کے بالاخانے پر رہتیں اور اس بات کی کوشش کرتی تھیں کہ نواب صاحب کو رنج نہ ہو۔ پوتی کو اسلامی طریقے سے تعلیم دلاتے تھے کہ پوتی نے بھی ۹ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ لڑکی کے مرنے سے مسز محمد احمد دل برداشتہ ہوئی۔ اور کہا کہ لڑکی کی وجہ سے میں نے یہاں رہنا گوارا کیا تھا کیونکہ نہ میں لڑکی کو چھوڑ سکتی تھی اور نہ یہ منظور تھا کہ پوتی کی جدائی کا صدمہ آپ کو دوں۔ اب یہ تعلق بھی نہیں رہا۔ سو میرا ہندوستان میں رہنا فضول ہے۔ لہذا وہ انگلستان واپس گئیں۔ نواب صاحب خود بمبئی میں جاکر پہنچا آئے۔ تاہم بیوہ بہو کی پاسداری سے اب بھی غافل نہیں۔ اس واقعہ کے بعد بی بی نے انتقال کیا۔ اس کے بعد نواب صاحب نے دوسرا نکاح کیا۔ جس کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ خدا انکی عمر میں برکت دے اور صاحب نصیب کرے۔ بعد ازاں منجھلی بیٹی نے طویل بیماری کے بعد انتقال کیا۔ اور ایک خوردسال لڑکی چھوڑی۔ اس کے بعد دوسرے نکاح کی بی بی نے بھی انتقال کیا۔ غرضیکہ متواتر اس قسم کے صدمات پڑے۔ جنکو نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اُنہوں نے برداشت کیا۔ اور کسی نے نہ جانا کہ اُن کے

دل کی حالت کیا ہے۔ ہر ایک سخت سے سخت صدمے کے وقت مشیتِ ایزدی پر نظر رکھی +

نواب صاحب کی توجہ دینیات کی طرف

ان کو عربی تعلیم اور دینیات کی طرف خاص تعلق رہا ہے۔ باوجودیکہ سرسید کا اثر ان پر اپنا پورا رنگ جما چکا تھا پھر بھی قدیمی طریقے کی عربی تعلیم اور دینیات کی تعلیم کی ترقی سے وہ کبھی غافل نہیں رہے۔ جب یہ علیگڈھ میں ملازم تھے تو ہمیشہ دو چار طالبعلموں کو اپنے پاس سے کھانا دیتے۔ جب حیدرآباد گئے تو اپنے صرف سے امروہہ میں تاج المدارس کے نام سے ایک پرانے طریقے کا عربی فارسی کا مدرسہ جاری کیا۔ جو اس وقت تک جاری ہے۔ حیدرآباد میں جب اِن کا دَور تھا تو مدرسہ عربی دیوبند کو سو روپیہ ماہوار کی دوامی امداد سرکار نظام سے دلوائی۔ اکثر علماء کی خدمتیں نہائیت پوشیدہ طور سے یہ اب تک کرتے ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ سرکاری مدارس میں دینیات کی تعلیم کا انتظام مسلمانوں کو بطور خود کرنا چاہیئے چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے اپنی رائے کا اظہار ایک رزولیوشن کی صورت میں دہلی کے اجلاس کانفرنس میں ۱۸۹۲ء میں کیا تھا کہ گورنمنٹ سے اجازت حاصل کی جاوے۔ اِس رزولیوشن پر نہائیت پُرجوش مباحثہ ہُوا تھا۔ سرسید نے بھی نہائیت جوش کے ساتھ مخالفت میں تقریر کی تھی۔ سرسید کی رائے یہ تھی کہ اجلاس سوم کانفرنس میں بمقام لاہور ۱۸۸۸ء میں اِسی مضمون کا رزولیوشن پاس ہو چکا ہے اور گورنمنٹ پنجاب نے اجازت بھی دے دی ہے کہ اگر مسلمان انتظام

کریں تو بعد سکول کے وقت کے سکول کی عمارت میں دینیات کی تعلیم دلا سکتے ہیں لیکن کسی ایک جگہ بھی انتظام نہیں ہوا۔ سرسید نے یہ بھی بیان کیا تھا۔ کہ مسلمان اجلاس کنفرنس میں تو دین دین کا غل مچاتے ہیں لیکن عمل کچھ نہیں کرتے اس قسم کے رزولیوشن پاس کرنے کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ کہ مسلمان خود بھی ذلیل ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ کنفرنس کو بھی ذلیل کراتے ہیں۔ بالآخر کثرت رائے سے یہ رزولیوشن پاس ہوا۔ اور نواب صاحب نے اسی پر اکتفا نہ کی کہ اجلاس کنفرنس میں رزولیوشن پاس کرا کے خاموش ہو گئے بلکہ اس کے بعد نینی تال گئے۔ اور وہاں کئی مہینے تک قیام کیا۔ اور صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم سے چند مرتبہ گفتگو کرکے آخرکار ایک سرکلر نافذ کرا دیا۔ کہ فارسی کے گھنٹے میں ہفتے میں ایک دفعہ مسلمانوں کے لڑکوں کو دینیات کی تعلیم اُن مدارس میں دی جاوے۔ جہاں کے مسلمان مدرس دینیات کا خود انتظام کریں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے خرچ سے امروہہ کے سرکاری سکول میں دینیات کی تعلیم کا مدرس رکھ دیا جو آجتک ملازم ہے۔ ندوۃ العلماء سے بھی خواہش کی چنانچہ ندوہ نے بھی اس تجویز کی تائید میں رزولیوشن پاس کیا۔ اس کا انتظام ندوہ کے سپرد کیا۔ مختلف شہروں نے مسلمانوں کو لکھا لیکن افسوس ہے کہ سوائے امروہہ اور شاہجہانپور کے اور کسی جگہ کے مسلمانوں نے انتظام نہ کیا اور سرسید مرحوم کا جو خیال تھا وہ انجام کار صحیح ثابت ہوا۔

نواب صاحب کی سخاوت

اگرچہ نواب صاحب ہمیشہ سرسید کے مشن کے معاون رہے۔ اور کوئی چندہ مدرستہ العلوم کی کسی مد کی بابت کسی زمانہ میں ایسا نہیں ہوا۔ جس میں انہوں نے اپنے پاس سے مدد نہ کی ہو۔ اس کے علاوہ ہر زمانہ محمڈن کالج میں دو تین طلبا ایسے تعلیم پاتے رہے۔ جن کی تعلیم کے مصارف نواب صاحب کے ذمے تھے۔ تاہم یہ

اپنی آمدنی کا بہت زیادہ حصّہ ایسے خیراتی کاموں میں صرف کرتے ہیں کہ داہنا ہاتھ دے اور بائیں کو خبر نہ ہو۔ انھوں نے اپنی ذات سے امروہہ میں ایک طبیب مقرر کر رکھا ہے جو غربا کا علاج مفت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے غریب رشتہ داروں کی تنخواہیں مقرر کر رکھی ہیں۔ اور مہینے کے مہینے اُن کو بلا طلب تنخواہیں بھیج دیتے ہیں۔ علاوہ رشتہ داروں کے امروہہ کے شریف لیکن نادار بیوہ عورتوں اور ضعیف اور بیکار اشخاص کی تنخواہیں مقرر ہیں اور کسی کو نہیں معلوم کہ کس کس کی کس قدر تنخواہ مقرر ہے۔ بہت سے ضرورتمندوں کو جو ان کے پاس جاتے ہیں یہ اس طرح مٹھی بند کر کے خیرات دیتے ہیں کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ جب یہ حیدرآباد سے واپس آئے ہیں تو جن لوگوں کی جس قدر تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں قلت آمدنی کی وجہ سے وہ نصف کر دی گئیں۔ اور ہر ایک کو معذرت کا خط لکھا جس میں نہائیت افسوس اور خوشامد سے معذرت کی تھی۔ چونکہ عام طور پر مسلمان ضرورتمند زیادہ ہو گئے ہیں۔ لہذا ضرورتمند جب اپنی بڑھی ہوئی ضرورتوں کو ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اور جب اپنی خواہش سے ان کو کم ملتا ہے تو وہ بگڑتے اور نواب صاحب کو بُرا کہتے ہیں اور نواب صاحب معذرت کرتے جاتے ہیں جس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ شخص کیسے حیرتناک ظرف کا ہے۔ باوجودیکہ نواب صاحب کا طریقہ خیرات نیکی اور خداترسی کا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ نیکی یہ ہوتی کہ وہ اپنی تمام خیرات کو صرف غریبوں کو تعلیم دلانے میں صرف کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو آج سینکڑوں غریب مسلمانوں کے بچے تعلیم پاکر اچھی حالت میں نظر آتے۔

نواب صاحب کا اخلاق

نواب صاحب کا اخلاق ان کی منکسر المزاجی ان کی سادہ زندگی ایسی حیرت انگیز ہے کہ اس پوزیشن اور شان کے بہت کم آدمیوں میں ایسے سچے اخلاق پائے

جاتے ہیں۔ اگرچہ تیس چالیس برس قبل ایسے وسیع اخلاق کے بہت سے شریف مسلمان ہر ایک شریف خاندان اور شریف قبیلے میں موجود تھے مگر افسوس ہے۔ کہ زمانہ جس طرح تمام خوبیاں قوم کی مٹا رہا ہے اسی طرح یہ اوصاف بھی قوم سے ناپید ہوتے جاتے ہیں۔ یہ ہر ایک چھوٹے بڑے ادنے واعلےٰ کو پہلے خود سلام کرتے ہیں ہر ایک شخص کی تعظیم کے لئے سروقد کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ ایک غریب سے غریب رشتہ داروں کو بھائی صاحب کہہ کر خطاب کرتے ہیں اور کسی غریب یا مبتذل حالت کے رشتہ دار کو ذلت وحقارت کے ساتھ نہیں دیکھتے۔ بلکہ اس کے ساتھ بھی اسی طرح برابری کا برتاؤ کرتے ہیں۔ گویا وہ ان کی پوزیشن کا ہے اسی طرح رشتہ دار مستورات میں جو ان سے عمر میں بھی چھوٹی ہیں ان کو بوا کہہ کر خطاب کرتے ہیں وہ خدمتگار تک سے سخت کلامی سے گفتگو نہیں کرتے۔ سخت سے سخت غصہ اور ناراضی کی حالت میں بھی کوئی لفظ انکی زبان سے خلاف تہذیب نہیں نکلتا دوسرے کی گفتگو اگر سخت ہوتی ہے تو بھی وہ نرمی کے ساتھ اس کا جواب دیتے ہیں۔

ایک نابینا کی ناراضگی

مسجد کے ایک نابینا کی روٹی ان کے یہاں سے مقرر تھی جبکہ یہ حیدر آباد میں تھے ایک رات کو نہائیت شدت کی بارش ہو رہی تھی۔ خادمہ نے ملازم سے کہا کہ نابینا کو روٹی دے آ۔ ملازم بڑبڑایا۔ اور جواب دیا کہ ایسا موسلا دھار پانی پڑ رہا ہے اندھیری رات ہے میں نہیں جاسکتا نواب صاحب کو جب معلوم ہوا کہ نابینا کو روٹی نہیں گئی۔ خود روٹی لے کر اور چھتری لگا کر چپکے سے مسجد میں چلے گئے بڈھا نابینا بھوک کی وجہ سے غصے میں بیٹھا تھا۔ جب انہوں نے آواز دی کہ روٹی لو۔ تو نابینا بڑبڑایا۔ کہ آدھی رات کو روٹی لے کر آیا ہے۔ روٹی واپس لے جا۔ ہم نہیں لیتے۔ نواب صاحب نے خوشامد کرنی شروع کی۔ نابینا ان کو نوکر سمجھ رہا تھا۔ اور بڑبڑاتا

رہا۔ غرضیکہ ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ آپ نے بُرا سننے کے بعد بھی غصہ نہیں کیا اور ایسی حالت میں جب کوئی دوسرا اُسن کر گبڑتا ہے تو یہ اُس کو باز رکھتے ہیں ان کا دسترخوان نہایت وسیع ہے اور مہمانداری میں نہایت مسرت اور بے تکلفی کے اظہار کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب حیدرآباد میں ان کا زمانہ عروج پر تھا تو اپنے مہمانوں کے لئے چائے کی سینی زنانہ مکان سے خود لے کر باہر آتے تھے حیدرآباد سے جب کبھی یہ رخصت لے کر وطن آئے یا میرٹھ یا بریلی وغیرہ جاتے تو تمام عزیزوں اور دوسرے احباب کے مکانوں پر عام اس سے کہ وہ غریب ہوں یا امیر پیدل جاتے تھے۔ غرضیکہ ان کا اخلاق ان کی منکسر المزاجی انکا خلوص اس قابل ہے کہ ہمارے نوجوان اُس کو نمونہ بناویں۔ ان کے اخلاق عادات اور مزاج میں اسلامی شان کا نمونہ پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں کیسے اوصاف ہونے چاہئیں۔ نواب وقار الملک بہادر کی ذات اور ان کے اوصاف نمونہ ہیں۔ بالخصوص پچھلے کنبوہوں کا انکی ذات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کنبوہ کس شان کے ہوتے تھے۔ اور کس طرح وہ دنیا میں ترقی کرتے تھے اور دنیا کی ترقی کے ساتھ کس طرح ان کو عقبےٰ کی فکر ہوتی تھی لیکن افسوس ہے کہ آج کو کنبوہوں سے اس شان کے بزرگ روز بروز کم ہو رہے ہیں۔ ۲۰-۲۵ برس قبل وقار الملک بہادر کے نمونے کے بہت سے بزرگ اس قبیلے میں موجود تھے لیکن اب تو نواب اسد اللہ خان اسپیشل مجسٹریٹ اور نواب اسلام اللہ خان ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس سلطانپور وغیرہ دو چار صورتیں نظر آتی ہیں اگر زمانہ کی رفتار یہی رہی تو افسوس ہے کہ کچھ دن کے بعد کنبوہوں کی وہ حالت ہونے والی ہے کہ بجائے فخر کے اپنے آپ کو کنبوہ ظاہر کرنا باعث ذلت وننگ ہو جائیگا ؎

ڈر ہے کہیں نام بھی جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

امروہہ میں ہائی سکول کی کوشش

حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد نواب وقارالملک بہادر نے پہلے یہ کوشش کی کہ امروہہ میں جہاں مسلمان شرفاء کی آبادی معقول ہے۔ بجائے مڈل سکول کے ہائی سکول ہوجاوے۔ چنانچہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد جب سرانٹونی میکڈانل نے ۱۸ اپریل سنہ ۱۹۰۰ء کا رزولیوشن نافذ کیا ہے۔ تو نواب صاحب رزولیوشن کی مخالفت کرنے والوں میں سب سے زیادہ نمایاں حصہ لینے والوں میں سے تھے۔ لیکن قبل اس کے یہ مسئلہ مسلمانوں میں بحث کیلیے پیش ہو۔ انہوں نے اس امر کی کوشش کرنی چاہی کہ سرانٹونی سے مل کر اس رزولیوشن کی وجہ سے جو کچھ پیچیدگیاں واقع ہونے والی ہیں ان کو رفع کرادیں لیکن سرانٹونی چونکہ ایک ضدی طبیعت کا حکمران تھا اور وہ کسی قسم کا انصاف کرنے کو طیار نہ تھا لہذا اس نے نواب وقارالملک بہادر سے اس مسئلے کے متعلق گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ لکھنؤ میں جو جلسہ اردو ڈیفنس کا سنہ ۱۹۰۱ء میں ہوا تھا اس میں انہوں نے صاف طور پر اس بات کو ظاہر کر دیا تھا جب محمڈن کالج میں آکر سرانٹونی نے ٹرسٹیوں کو دھمکانے کی کوشش کی ہے اس وقت بھی یہ انٹونی کی دھمکی میں نہ آئے تھے۔ چونکہ انٹونی نے ایک کے بعد دوسری کارروائی مسلمانوں کی مخالفت میں شروع کر دی تھی اور اس وقت میں اس امر کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی کہ مسلمانوں کے پولیٹیکل حقوق کی حفاظت کے لئے مسلم لیگ قائم کی جاوے چنانچہ سنہ ۱۹۰۲ء میں ان کی تحریک سے

ایک جلسہ خاص خاص مسلمانوں کا حامد علی خان صاحب بیرسٹر ایٹ لاء لکھنؤ کی کوٹھی پر منعقد ہوا۔ اور مسلم لیگ کی بنیاد قایم ہوئی۔ لیکن یہ بعض خانگی پریشانیوں میں ایسے مبتلا ہوئے۔ جس کی وجہ سے چند سال تک مسلم لیگ کی کارروائی نہ کر سکے۔ جب نواب محسن الملک بہادر نے انٹونی کی سخت گیری کی وجہ سے سکرٹری شپ سے استعفےٰ دینا چاہا تھا تو اس وقت بھی عہدہ سکرٹری شپ پر ان کا انتخاب ہوا تھا لیکن سر جیمس لاٹوش صاحب بہادر کے اطمینان دلانے سے نواب محسن الملک بہادر نے استعفےٰ واپس لے لیا۔ جنوری ۱۹۰۴ء میں یہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ واپس آنے کے بعد یہ قومی کاموں میں اور زیادہ تر مسلم لیگ کے چلانے میں مصروف ہو گئے۔

اصلاح رسوم

نواب وقار الملک بہادر نے حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد کنبوہوں سے بھاجی کی رسم اٹھانے کے لئے کوشش شروع کی اول تو کنبوہوں میں اس قدر زیادہ شادی غمی کے مصارف بڑھے ہوئے ہیں کہ جن سے پچھلی امارت کے چوچلے پائے جاتے ہیں جن کو یہاں تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ اور جن مصارف کی وجہ سے کنبوہوں کی مالی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ جس قدر رسم کے بتوں کی آج پرستش ہو رہی ہے۔ اُن سب بتوں کو توڑ ا جاوے لیکن نواب وقار الملک بہادر نے صرف ایک بھاجی کی رسم کو موقوف کرانے کی کوشش کی۔ حالانکہ جو لوگ بوجہ افلاس کے بھاجی تقسیم نہیں کر سکتے وہ بھی دوسرے مصارف سے اسقدر زیر بار ہو جاتے ہیں کہ رہنے کا گھر تک رہن ہو جاتا ہے اور جن لوگوں کو مقدرت ہے وہ خوب دل کھول کر بھاجی تقسیم کرتے ہیں۔ بہر حال نواب وقار الملک بہادر

کی کوشش کا صرف اس قدر اثر ہوا کہ خود ان کے خاندان میں بھاجی کی تقسیم موقوف ہو گئی لیکن ضرورت ہے کہ لگاتار کوشش کی جاوے۔ تاکہ مراسم پرستی کی وجہ سے جو تباہی آ رہی ہے۔ وہ دُور ہو۔ اگر جلد تر خبر نہ لی گئی تو جو حالت پیش آنے والی ہے وہ نہایت عبرت انگیز ہوگی۔

نواب محسن الملک نواب وقار الملک

اور

علیگڈھ کالج کے سکرٹری شپ

اس عنوان سے ایک چٹھی نواب وقار الملک بہادر کی اگست ۱۹۰۷ء کے روزانہ پیسہ اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ جو نہ صرف نواب وقار الملک بہادر کی تحریرات کا بہترین نمونہ ہے۔ بلکہ نواب صاحب موصوف کے خیالات علیگڈھ کالج کے سکرٹری شپ اور منیزان کے اپنے معیار سکرٹری شپ کا بہترین آئینہ ہے۔ اور وہ ان اوراق میں بجنسہ درج کر دینے کے لائق ہے۔ جو حسب ذیل ہے:۔

بدوں اس کے کہ میں کسی اخبار کے کارسپاڈنٹ کی ملاقات کی عزت حاصل کروں۔ اور اپنے ما فی الضمیر کو ایک مکالہ کی صورت میں کسی اخبار میں چھپواؤں۔ میں سیدھے طریقہ سے اپنے مطلب کو اپنے ہی لفظوں میں اور اپنے ہی دستخط اور اپنی ہی ذمہ داری سے پبلک کے سامنے پیش کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔

یہ بات عرصہ سے زبانوں پر آرہی ہے کہ میں کیوں علیگڈھ میں قیام
کرکے نواب محسن الملک بہادر کو کالج کے کاروبار میں مدد نہیں دیتا۔ او
مئی گذشتہ میں صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب نے بھی ٹرسٹیان کالج
کے جلسہ میں عام طور پر اس کے متعلق بہت کچھ بیان فرمایا۔ اور ایک او
معزز ٹرسٹی صاحب نے بھی جن کو نواب محسن الملک بہادر کے اور میرے
باہمی تعلقات کا کافی علم نہیں تھا۔ کچھ ارشاد فرمایا۔ جس پر میں نے اس
وقت صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کیا کہ یہ ایک ایسا مضمون ہے۔ کہ
نواب محسن الملک بہادر کی غیبت میں (جو کہ اس وقت بمبئی میں تشریف رکھتے
تھے۔ میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا اس کے بعد ہی کوئی کارسپانڈنٹ صاحب
بمبئی میں نواب صاحب ممدوح سے ملاقی ہوئے اور وہ مکالمہ آپ کے
معزز روزانہ اخبار مطبوعہ دوم جولائی گذشتہ میں نواب محسن الملک بہادر
اور علیگڈھ کالج کے عنوان سے شایع کیا گیا۔ جس میں نواب صاحب ممدوح
نے اپنے خیالات کو میری نسبت مشتہر فرمایا ہے۔ اور اب متعدد دوستوں
کے خطوط بھی اسی بات میں میرے پاس آرہے ہیں۔ اور گذشتہ کالج
کمیشن کے زمانہ میں بھی پبلک نے بہت کچھ اس قسم کے معاملات کے متعلق
دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ لہذا میری طرف سے اب بالکل سکوت غالباً نا مو
اور شاید کہ کالج کے حق میں بھی مُضر متصور ہے۔
واقعہ یہ ہے کہ میرے نزدیک میرا علیگڈھ میں جاکر رہنا گو کہ وہ آنریری
سکرٹری کو مدد دینے ہی کی غرض سے ہو بجائے مفید ہونے کے کالج کے
حق میں مضر ہے۔ میری موجودگی علیگڈھ کے زمانہ میں میری نظر کالج کے ہر
ایک کام پر ہوگی اور جو نقصان مجھ کو اُس میں دکھائی دیں گے۔ ان میں مجھ
کو اس میں جو دکھائی دیں گے۔ اُن میں مجھ کو ان ٹرسٹیوں اور ممبران اسٹاف
سے گفتگو کا موقعہ ملے گا جو علیگڈھ میں تشریف رکھتے ہیں اور ممکن نہیں۔ بلکہ

یہ یقین سمجھنا چاہیئے کہ ایسے معاملات بھی پیش آویں گے۔ جن میں آنریری سکرٹری صاحب سے میرا شاید اختلاف ہوگا۔ اور جو نقصانات نظر آویں گے۔ ان میں بکثرت وہ امور ہوں گے۔ نہ جو آنریری سکرٹری کی بے خبری یا کمزوری کا نتیجہ ہوں گے۔ اور اس طرح پر ایک سلسلہ ناگوار نکتہ چینی کا قائم ہو جاوے گا اور میرا گھر گویا ایک زبردست مورچہ آنریری سکرٹری کے خلاف سمجھا جانے لگے گا جہاں وہ تمام لوگ جمع ہوا کریں گے جو میری رائے سے متفق ہوں گے۔ اور مجاربی یقیناً میری طرف ہوگی اور اس طرح پر پلیٹی فیلنگ کا خاصہ نقشہ جسم جاوے گا۔ جو کالج کے حق میں ہلے انتہا مضرت بخش ہوگا۔

یہاں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر نکتہ چینی واجبی ہوگی تو نواب محسن الملک بہادر خود خوشی سے اس کو قبول کریں گے اور نقصانات کی اصلاح ہو جاوے گی۔ اور کوئی وجہ بدمزگی کی پیدا نہ ہوگی۔ لیکن اپنے طویل ذاتی تجربہ کے بعد میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ جناب ممدوح کی پالسی یہ رہی ہے کہ جن باتوں کو وہ خود بھی صحیح سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ویسا ہی ہو۔ ان میں بھی اگر اسٹاف کی خوشی کا اُن کو خوف ہوتا ہے تو وہ یہ چاہا کرتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو اسٹاف کے مقابلہ پر کھڑا کر دیں اور جو اسٹاف سے بُرے نہ بنیں۔ ایک واقعہ مثال کے طور پر میں یہاں بیان کرنا کافی سمجھتا ہوں۔

ایک دفعہ میں علیگڈھ میں تھا۔ اور دوسرے دن فنیانس کمیٹی کا اجلاس ہونے کو تھا۔ مجھ سے جناب ممدوح نے فرمایا۔ کہ مسٹر ماریسن ایک ممبر اسٹاف کے اضافہ تنخواہ پر اصرار کرتے ہیں۔ اور اُن کا اصرار بالکل ناواجب ہے تم بھی اس اجلاس میں شریک ہو تو بہتر ہے۔ چنانچہ میں اس اجلاس میں شریک ہوا اور جب وہ مسئلہ پیش آیا تو میں نے مسٹر ماریسن کی رائے سے اختلاف کیا۔ اور نواب صاحب ممدوح نے خود بھی مجھ سے اتفاق کیا لیکن

جب دیکھا کہ مسٹر ماریسن زیادہ اصرار کرتے ہیں بلکہ ان کے چہرہ سے آثار ملال
ظاہر ہوتے ہیں - تو جناب ممدوح نے اپنے اختلاف کو واپس لے لیا اور فرمایا
کہ جب ماریسن صاحب کی یہی رائے ہے تو میں بھی انہیں سے متفق ہوں
لیکن وہ مسئلہ اس قدر صاف کہ باوجود مسٹر ماریسن کے سخت اصرار اور
نواب صاحب کی کمزوری کے مجارٹی میری ہی طرف رہی اور مسٹر ماریسن
کی وہ تحریک نامنظور ہو گئی -

اس مثال سے بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے کہ جناب ممدوح باوجود کسی نکتہ چینی
پر متفق ہونے کے بھی کہاں تک اس کو برداشت کر سکیں گے کہ اصل ذمہ دار
شخص تو علیحدہ رہے اور دوسرے ہی ہمیشہ بڑے بنتے رہیں - اور پھر جب
تک آنریری سکرٹری دل سے کسی اصلاح پر متفق نہ ہو تو ایک دو کام تو
مجارٹی کی بنیاد پر چل جاویں گے - لیکن عام طور پر اس میں کامیابی نہ ہوگی -

دوسرے ایک موقع پر میں نے دیکھا کہ نواب صاحب نے ایک یوروپین
ممبر اسٹاف سے ایک ٹرسٹی کی نسبت فرمایا کہ ان کو ممبر اسٹاف سے عداوت
ہے لیکن وہ اس کی شکائیت کرتے ہیں جب وہ اسٹاف آفسر تشریف لے
آئے تو میں نے نواب صاحب سے عرض کیا کہ بحیثیت آنریری سکرٹری ٹرسٹیان
اور بحیثیت ٹرسٹی آپ کو مناسب نہ تھا کہ آپ ایک ٹرسٹی کی اس قسم کی شکائیت
اسٹاف کے ممبر سے کرتے اور اگر آپ کا ایسا خیال ہے تو خود اُن ٹرسٹی سے
کہیئے اور دوسری طرح اس کی اصلاح کیجیئے ورنہ ٹرسٹیوں کے اور اسٹاف
کے تعلقات باہم خراب ہو جاویں گے پس اب فرمایئے کہ اگر میں یہ اندیشہ
کرتا ہوں کہ میرے علیگڈھ کے قیام میں بدمزگیاں پیدا ہونگی - اور اس کا نتیجہ
کالج کے حق میں مضر نکلیگا - تو وہ اندیشہ کوئی بیجا نہیں ہے اور یہ دو مثالیں
جو میں نے اوپر بیان کیں جناب ممدوح کی عام طرز کارروائی کو سمجھانے
کے لئے کافی ہیں -

مئی گذشتہ کے اجلاس ٹرسٹیان میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب کو میں نے یہ جواب دیا تھا کہ اگر میرا یہ خیال کہ نواب صاحب ممدوح کے ساتھ کام کرنا مشکل ہے۔ تو آپ نے اسسٹنٹ سکرٹری کے عہدہ سے کیوں استعفاء دیا۔

اس کے جواب میں صاحبزادہ صاحب کو ضرور مشکل پیش آئی۔ کیونکہ وہ مجھ سے اس کے قبل فرما چکے تھے۔ کہ جو رائے تم نے ایک مدت مدید کے تجربہ کے بعد قائم کی تھی۔ وہ مجھ کو تھوڑے ہی تجربہ کے بعد قایم کرنی پڑی اور اسی لئے میں نے اسسٹنٹ سکرٹری کے عہدہ سے استعفاء دیا۔ مگر صاحبزادہ صاحب نے میرے سوال کے جواب میں اس وقت فرمایا کہ میں نے عہدہ سے استعفاء دیا۔ لیکن کام کرنا تو نہیں چھوڑا۔ میں بہت سے کام اب بھی انجام دیتا ہوں اور انجام دیتا رہونگا۔ لیکن یہاں خواہ مخواہ ہی سوال پھر پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب آپ کام بھی کرتے ہیں تو پھر آپ نے عہدہ سے کیوں استعفاء دیا۔ اصل یہ ہے۔ کہ اپنے جن کاموں کی طرف صاحبزادہ صاحب نے اشارہ فرمایا ہے وہ زیادہ تر انگریزی خط وکتابت کا کام ہے جس کا انجام دینے والا ان سے بہتر علیگڈھ میں اور کوئی موجود ہی نہیں ہے اور آنریری سکرٹری مجبور تھے۔ کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ کام صاحبزادہ سے لیں اور ان کے عہدہ اسسٹنٹ سکرٹری سے مستعفی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جن نقصانات کی اصلاح چاہتے رہتے تھے۔ ان میں ان کو آنریری سکرٹری سے تشفی بخش امداد نہ ملی۔ یہ تو اسسٹنٹ سکرٹری صاحب کی کیفیت ہوئی۔ اب جائنٹ سکرٹری صاحب کو جو گویا علیگڈھ میں رہتے ہیں دیکھنا چاہیئے کہ وہ ان اوقات کے سوا جب کہ آنریری سکرٹری علیگڈھ سے غیر حاضر ہوتے ہیں۔ دوسرے وقتوں میں کالج کے روزانہ کاموں میں سے کس کس کام میں آنریری سکرٹری کو مدد دیتے ہیں۔ باہر والے ٹرسٹیوں سے

تو اس وقت طلبہ آکر رہنے کی خواہش کرنی چاہیئے۔ جب معلوم ہو کہ وہ صاحبان جو اپنے عہدہ کی حیثیت سے ادائے فرض کے ذمہ دار ہیں وہ آنریری سکرٹری کے ساتھ کاموں میں شریک رہ کر ان کو کافی مدد دیتے ہیں اور ان کی مدد کافی نہیں ہوتی۔ اور بیرونی مدد کی ضرورت ہے۔

یہاں آج مجھ کو یہ بھی بیان کرنا ہے کہ گو کالج میں جس سے کالج اور بورڈنگ ہوس مع اپنی جملہ شاخوں کے مراد ہے کام کی کیسی ہی زیادتی کیوں نہ سمجھی جائے۔ لیکن تاہم وہ کام ایسا نہیں ہے جو کافی عملہ موجود ہونے کی حالت میں ایک سکرٹری اور ایک جائینٹ سکرٹری اور ایک اسسٹنٹ سکرٹری اس کی پوری نگرانی نہ کر سکیں۔ مجھ کو امید ہے کہ جو کچھ میں اس وقت لکھ رہا ہوں اس کو پبلک کسی ایسے شخص کی رائے نہ سمجھے گی۔ جس کو کاموں کا تجربہ حاصل نہ ہو۔ یا جو اس وقت کی وسعت کار متعلقہ کالج اور اس کے مشکلات سے لاعلم ہو۔ پھر نواب محسن الملک بہادر کی بے نظیر ذہانت اور قابلیت کے لحاظ سے جن کا میں ہمیشہ معترف اور مداح رہا ہوں۔ میں کالج کے موجودہ کاروبار میں کوئی ایسی دشواری نہیں پاتا جو لاینحل سمجھی جاتی ہو۔ بشرطیکہ ہر ایک کام کو اس کام کی حیثیت سے انجام دیا جاوے۔ اور کچھ داخلی و خارجی یا نسیان کام میں خلل انداز نہ ہوں۔ اور ہر ایک کام کرنے والے کو اپنے کام کے حدود معلوم ہوں اور وہ اپنی حدود کے اندر کام کرے۔ اسی کے ساتھ میں آخر شخص ہوں گا۔ جو بدل اس بات کا خواہشمند نہ ہوں کہ جو ٹرسٹی اپنا وقت دے سکتے ہیں۔ وہ مختلف کاموں میں اپنے اپنے مذاق طبیعت کے لحاظ سے شریک کئے جاویں اور آنریری سکرٹری پر سے ذمہ داریوں کا بار حتے الامکان کم نہ ہو۔ کیونکہ ہر وقت سرسید احمد خان اور نواب محسن الملک کی سی قابلیت کے لوگوں کا کالج کے واسطے آنریری طور پر پہنچتے رہنا ناممکن ہے اور ضرور کام کا انتظام

کچھ ایسا ہونا چاہیئے جو متوسط قابلیت کا ذمہ دار افسر بھی اس کو انجام
دے سکے۔

آنریری سکرٹری ٹرسٹیان کے فرائیض کے ساتھ کانفرنس اور
سر سید میموریل فنڈ کی خدمات کے شامل ہو جانے سے جس میں نواب
محسن الملک بہادر نے بے نظیر کامیابی حاصل کی ہے۔ اُن کے ناموں کی
فہرست اور اُن کاموں کا وزن بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور یہ آخرالذکر خدمات
ہی وہ خدمات ہیں۔ جن کی کامیابیوں پر آئیندہ کالج کا یونیورسٹی تک ترقی
کرنا بہت کچھ منحصر ہے اور اس لئے مصلحت ہے کہ نواب
محسن الملک بہادر کو باوجود ان کے ہر طرح کی مسلمہ قابلیتوں کے ان تینوں
قسم کے کاموں میں سے کوئی سا کام بھی اچھی طرح انجام نہ پا سکے۔ اور اس
وقت تک کی یہ حالت ہے۔ کہ جناب ممدوح نے کانفرنس اور سر سید
میموریل فنڈ کے متعلق بیشک بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ لیکن بحیثیت
آنریری سکرٹری وہ کالج کے اندرونی انتظامات پر اپنی نگرانی جیسی کہ چاہئیے
تھی اس کا نصف بلکہ ربع بھی قائم نہ رکھ سکے اور جو وہ کچھ کر بھی سکتے تھے
اس میں ان کو اُن پالیسیوں کی بدولت جس کو کچھ وہی خوب جانتے ہوں
گے۔ کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کالج کے ہر
ایک صیغہ اور شعبہ میں ایک قسم کی آزادی کی خواہش پیدا ہو گئی ہے اور
بہت کم لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو کام کو کالج کے مقاصد کے لحاظ
سے انجام دیتے ہیں۔ ورنہ ہر ایک اپنے متعلقہ کام میں کوئی نہ کوئی ذاتی
پالیسی ملحوظ رکھتا ہے۔ اور اس سے کالج کو جو نقصان پہنچا ہے۔ اور پہنچ
رہا ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں ہے اور آئیندہ جو شخص بھی آنریری سکرٹری
کے عہدہ پر مقرر ہو گا۔ وہ اگر موجودہ نقصانات کے رفع کرنے میں کامیاب
بھی ہوا تو بھی ابتدا ابتداء میں اس کو بہت سخت مشکلات کا مقابلہ

کرنا ہوگا۔

انہیں مشکلات کے لحاظ سے جن سے خود نواب محسن الملک بہادر سب سے زیادہ واقف ہیں۔ اور اتفاقاً کبھی کبھی خود اس کا اقرار بھی فرماتے ہیں۔ جناب ممدوح نے اب سے چند سال قبل مجھ سے ارشاد فرمایا اور اس پر حد سے زیادہ زور دیا۔ کہ کاموں کو اب تقسیم کرنا چاہئیے اور مجھ سے فرمایا کہ آنریری سکرٹری ٹرسٹیاں کے عہدہ کا کام جس سے کالج کا اندرونی کام مراد ہے تم مجھ سے بہتر کر سکتے ہو۔ عہدہ آنریری سکرٹری کا تم لو اور کانفرنس اور سر سید میموریل فنڈ کا کام جس میں باہر جانا اور جلسے کرنا اور چندہ وصول کرنا ہے یہ کام میں تم سے بہتر کروں گا۔ یہ دونوں کام میرے پاس رہیں۔ جناب ممدوح کے ارشاد سے مجھ کو بھی اتفاق تھا۔ اور دوسرے اکثر دوستوں نے بھی اس کو پسند کیا۔ یہاں تک کہ یہ تجویز اجنڈے میں داخل ہوئی اور ایک سالانہ اجلاس میں ٹرسٹیوں کے سامنے تصفیہ کے لئے رکھی گئی ہے اور نواب محسن الملک بہادر نے آنریری سکرٹری کے عہدہ سے استعفاء بھی پیش کر دیا اور میرے اوپر زور دیا کہ اب علیگڈھ میں رہنے کی غرض سے جلد مجھ کو علیگڈھ آنا چاہئیے اور اس لئے مکان کے قریب ہی دوسرا مکان میرے واسطے تجویز بھی کر لیا۔ اور میں بھی جب اپنے وطن امروہہ سے اس سالانہ جلسہ کے شرکت کی غرض سے چلا تو ریلوے اسٹیشن پر ایک پوری مال گاڑی کا انتظام کرتا گیا۔ تاکہ اپنا ضروری اسباب ایک ساتھ علیگڈھ کو منتقل کر سکو اور جب علیگڈھ پہنچا تو جلسہ میں شریک ہونے کے قبل نواب محسن الملک بہادر نے مجھ سے فرمایا کہ چل کر وہ مکان دیکھ لو جو تمہارے لئے میں نے تجویز کیا ہے۔ اس کا جو جواب اس وقت میں نے دیا حقیقت میں وہ تھا تو محض مذاق کے طور پر لیکن بعض اوقات مذاقیہ کلمات بھی واقعات

پر مبنی ہو جاتے ہیں۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ ذرا اور ٹھیریئے جلسہ سے لوٹنے کے بعد دیکھنا بہتر ہوگا۔ جلسہ جب منعقد ہوا اور ٹرسٹیان موجودہ اجلاس اور غیر موجودہ اجلاس کے دونوں کو شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک دو ٹرسٹیوں کے سوا باقی جملہ ووٹ اس پر تھے۔ کہ نواب محسن الملک بہادر کا استعفاء منظور ہونے کے بعد مشتاق حسینؒ کا تقرر عہدہ آنریری سکرٹری پر عمل میں آوے۔ اور گو یہ کام اُس اجلاس کا نہ تھا۔ لیکن معلوم ہو چکا تھا کہ اس پر بھی کہ کانفرنس کا کام بحیثیت سکرٹری اور سرسید میموریل فنڈ کا کام بحیثیت پریسیڈنٹ نواب محسن الملک بہادر کے پاس رہیگا۔ اپنی بابت میں میں نے اجتناب کیا۔ اور جو کچھ بیان کیا وہ قریباً یہ تھا کہ پبلک عام طور پر نواب صاحب ممدوح کے کالج سے علیحدہ ہونے کو پسند نہیں کرتی۔ لہذا ٹرسٹیوں کو بھی جو پبلک کے گویا وکیل ہیں۔ وہی پہلو اختیار کرنا مناسب ہے۔ جو پبلک کی مرضی کے مطابق ہے۔ دوسرے اکثر ٹرسٹیوں نے بھی اس قسم کی گفتگو کی جو درحقیقت مستعفی ہونے والے عہدہ دار کی جذبات کا جس نے چند سال گذشتہ میں کالج کی خدمات بغیر کسی معاوضہ کے انجام دی تھی۔ ایک سنجیدہ اعتراف تھا۔ مگر جلسہ کا اختتام اس پر ہوا کہ نواب محسن الملک بہادر نے اپنا استعفاء عہدہ آنریری سکرٹری سے واپس لیا اور مجھ کو کوئی ضرورت نہ اُن کے مجوزہ مکان کے دیکھنے کی باقی رہی نہ ریلوے مال گاڑی کے انتظام کی مردن موقوف و مقبرہ مسمار۔ اور میں نے کبھی اس کی بعد جناب ممدوح سے اس کی شکائیت نہ کی۔ کہ اگر یہی منظور تھا۔ تو اس تماشہ کی ضرورت ہی کیا تھی۔

اپنے کارسپاڈنٹ کے اس سوال کے جواب میں کہ آیا مشتاق حسینؒ آپ کی جگہ خود سکرٹری بننا چاہتا ہے۔

جناب نواب صاحب ممدوح نے جو کچھ مہربانی سے ارشاد فرمایا اس

کو جناب ممدوح کے الفاظ میں یہاں نقل کردینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔
"یہ سچ ہے۔ اُنہوں نے (یعنی مشتاق حسین نے) نہ صرف اخلاقی رائے
کمیشن ہی میں بلکہ اور تحریروں میں بھی میرے متعلق بہت کچھ سخت لکھا ہے
اور بمقتضائے بشریت مجھے اس کا رنج ہوا ہے۔ مگر میں یقین کرتا ہوں
کہ جو کچھ اُنہوں نے لکھا گو کیسا ہی سخت لکھا ہے۔ مگر ذاتی مخالفت یا رنج کی
وجہ سے نہیں لکھا بلکہ اپنے نزدیک قوم اور کالج ہی کے فائدہ کی غرض سے
لکھا ہوگا۔ اس لئے میں اُن کی گالیوں کو بھی انکی نیک نیت پر خیال کر کے
اپنے لئے تنبیہ اور ہدایت سمجھتا ہوں اور کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی مجھے
یہ خیال نہیں آیا کہ اُنہوں نے کسی ذاتی رنج کی وجہ سے ایسا لکھا ہے باہم
ہمارے اُن کے درمیان ذاتی رنج نہیں ہے بلکہ میں اُن کی دل سے قدر کرتا ہوں
اور اپنا دوست سمجھتا ہوں میرے نزدیک وہ نہایت نیک نفس اور اپنی رائے
کے پختہ ہیں۔ اگر نیک نیتی سے اُنہوں نے کوئی بات لکھی گو وہ میرے نزدیک
غلط ہو تاہم ذاتی رنج پر محمول کبھی نہیں ہوسکتی اور یہ خیال کہ وہ اپنا سکرٹری ہونا
چاہتے ہیں۔ اس کا یقین وہی شخص کر سکتا ہے۔ جو اُن کے خیالات اور
مزاج سے واقف نہ ہو۔ وہ کبھی سکرٹری ہونے کے خواہاں نہیں ہیں۔ اگر
کوئی ایسا وقت بھی آجاوے کہ لوگ اُن کے سکرٹری بنائے جانے پر اصرار
کریں تو شائد بہت ہی مجبوری اور کالج کی ہمدردی کے خیال سے وہ منظور کر
لیں ورنہ اُن کو سکرٹری شپ کے منظور کرنے میں عذر ہوگا۔ اور یہ محض میرا
خیال ہی نہیں ہے۔ بلکہ پچھلے واقعات سے اُس کا بیّن ثبوت ملتا ہے مجھے
رنج ہوتا ہے۔ جب لوگ ایسی بدگمانی انکی نسبت مشہور کرتے ہیں"
اس مضمون میں جناب ممدوح نے جو کچھ میری نسبت ارشاد فرمایا ہے
میں اُس کا بدل ممنون ہوں۔ اور اگر جناب ممدوح کو میرے کچھ الفاظ ناگوار
گذرے ہیں تو مجھ کو اُس کا بدل افسوس ہے۔ اور میں جناب ممدوح سے

س کی معذرت کرتا ہوں۔ لیکن جب کوئی اس کا فیصلہ کرنے بیٹھے کہ میری
سی تحریر پر کہاں تک اعتراض ہو سکتا ہے تو میں اُس وقت ضرور یہ درخواست
روں گا۔ کہ اس تحریر کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ میرے تمام اعتراضات
کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب ممدوح کے عہد سکرٹری میں کالج کا اندرونی انتظام
بھی اعتراضات سے خالی اور قابل اطمینان نہیں رہا۔ اور ماتحتوں پر ان
کی واجبی نگرانی قائم نہیں رہی اور اخراجات کی نگرانی بھی اچھی حالت میں
نہیں رہی۔ اور یہ سب کچھ کیوں ہوا یہ کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ جناب
ممدوح کے پاس وقت نہ تھا یا وہ اس کی قابلیت نہ رکھتے تھے نہیں بلکہ
زیادہ تر یا تمام تر اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ جناب ممدوح نے قومی مقاصد
پر ذاتی پالسیوں کو مقدم کر دیا ہے اور بدقسمتی سے یہ نہ ہوتا تو نواب محسن الملک
بہادر اس قابلیت اور دل و دماغ کے شخص کہ ایسے ایسے پانچ کالجوں کو
کامیابی سے چلا سکتے تھے۔ جب کہ بحالت موجودہ ایک کالج کو بھی کامیابی
سے چلانے کا دعوے نہیں کر سکتے۔

مجھ سے لوگ دریافت کرتے ہیں۔ کہ اگر نواب محسن الملک بہادر نے
کالج کے اندرونی انتظام کی ذمہ داری سے سبکدوشی چاہی جس سے
مراد یہ ہے کہ آنریری سکرٹری کے عہدہ کو اُنہوں نے چھوڑ دیا اور کانفرنس
و سرسید میموریل فنڈ کو صرف اپنے ہاتھ میں رکھنا کافی سمجھا تو آیا میں آنریری
سکرٹری کے عہدہ کو قبول کروں گا۔ اس کی نسبت کسی قدر توضیح
کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

چند سال قبل جب معزز ٹرسٹی حضرات نے میرے آنریری سکرٹری ہونے
پر اتفاق فرمایا تھا۔ میرا بیان یہ تھا کہ انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے مجھ کو
مشکلات پیش آویں گی۔ نیز میری مالی حالت اور دوسرے ذاتی مشکلات
بھی اس مارج ہیں کہ میں اپنے وطن کو چھوڑ دوں اور علیگڈھ آکر رہوں

جس کے بدون سکرٹری کے عہدہ کا کام انجام نہیں دیا جا سکتا ہے۔ اور سن وسال کے لحاظ سے بھی اتنی بڑی ذمہ واری کے کام کا برداشت کرنا آسان نہیں ہے۔ بایں ہمہ اگر ٹرسٹی صاحبان نے میرے ہی ضعیف کندھوں پر اس بوجھ کو رکھنا پسند کیا تو میں اپنی ہر ایک مشکل اور ضرورت کو نظر انداز کر کے اور کالج کی خدمت بجالانے کے لئے آمادہ ہوں گا۔ لیکن دوسرے کسی امیدوار کے مقابلہ میں اپنے واسطے میں ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرنے سے اور مقابلہ کے اکھاڑے میں کودنے سے میں معافی چاہونگا۔

(یہ میرا اس وقت کا جواب تھا۔ اور اس وقت کی بہ نسبت آج میری ہر ایک مشکل بڑھ گئی ہے۔ خانگی ضروریات اور مالی مشکلات اس وقت کی بہ نسبت اب بہت زیادہ اس بات کی مانع ہیں کہ میں گھر چھوڑ کر علیگڈھ آکر رہوں۔ سن بھی اس وقت کی نسبت اب چند سال زیادہ ہو گیا ہے۔ تندرستی بھی اس وقت کی نسبت اس وقت اچھی نہیں ہے۔ اور انگریزی نہ جاننے کا عذر اب بھی بدستور قایم ہے اور اس عرصہ میں میرے بعض اور مشاغل بھی بڑھ گئے ہیں۔ اور اب بھی میں آنریری سکرٹری کے عہدہ کے لئے خود خواہشمند نہیں ہوں نہ کسی دوسرے امیدوار کے مقابلہ میں اپنے واسطے ووٹ جمع کرنے کی کوشش کرنا گوارا کروں گا لیکن بایں ہمہ اگر معزز ٹرسٹی حضرات مجھ ہی سے یہ خدمت لینا پسند کریں۔ اور میری کسی مشکل کا بھی خیال نہ فرماویں تو یہ بھی مجھ سے نہ ہو سکے گا کہ میں کالج کو لاوارثی کی حالت میں چھوڑ دوں اور جو کچھ مجھ سے ممکن ہوگا۔ میں کالج کی بہتری کے لئے کرنے پر آمادہ ہوں گا۔ خصوصاً جب کہ کانفرنس اور سرسید میموریل فنڈ کے کام کو نواب محسن الملک بہادر انجام دینے پر آمادہ ہوں گے۔

اور میں اوپر بھی کہہ چکا ہوں۔ اور پھر کہتا ہوں کہ آنریری سکرٹری کے کام کو لوگوں نے جیسا مشکل سمجھ رکھا ہے۔ اور جیسا مشکل بنا لیا ہے کہ

کسی کے نمٹانے سے نہیں نمٹتا۔ اور کام ہے کہ قابو ہی میں نہیں آتا۔ وہ کام ہرگز ایسا مشکل نہیں ہے۔ بشرطیکہ آنریری سیکرٹری اپنے فرائض انجام ہی میں تمام ذاتیات کو بالائے طاق رکھ کر صرف اس ایک نقطہ کو اپنی کارروائی کے دائرہ کا مرکز بناوے۔ کہ قوم کے حق میں کون سی کارروائی مفید ہے پھر چاہے اس کی ذات بالکل ملیا میٹ ہی کیوں نہ ہو جاوے۔ حالانکہ اسکی نوبت آوے گی نہیں۔ میرے نزدیک جو کوئی بھی سکرٹری ہو اس کے واسطے سب سے زیادہ سیدھا اور آسان راستہ یعنی اس کی صراط مستقیم یہ ہے جو میں ذیل میں بیان کرتا ہوں:-

اول:- جب ایک دفعہ کسی ٹرسٹی نے آنریری سکرٹری کے عہدہ کو قبول کر لیا ہو جو بلاشبہ اسکے واسطے ایک شاباشی کا کام ہے۔ تو پھر اب اسکے بعد مناسب نہیں کہ وہ قوم پر اس کا احسان جتایا کرے بلکہ پھر اس کا طرز کارروائی بالکل ایسا ہونا چاہیئے۔ کہ گویا وہ ٹرسٹیوں کا تنخواہ دار ملازم ہے۔

دوم:- اس کی مقدم پالیسیاں یہ ہونی چاہئیں۔

الف:- گورنمنٹ کے ساتھ کالج کے تعلقات وفادارانہ حالت میں قائم رکھے۔

ب:- ٹرسٹیز کمیٹی کی عظمت اور اپنے عہدہ کے وقار کو محفوظ رکھ کر اسٹاف کے ساتھ پوری طرح دوستانہ اخلاق سے پیش آوے:

ج:- طلباء کے ساتھ پدرانہ برتاؤ سے پیش آوے۔ مادرانہ برتاؤ کا تو اب زمانہ ہی نہیں رہا۔ پدرانہ برتاؤ ہی ان غریبوں کے ساتھ برتا جاوے تو بسا غنیمت ہے۔ ایک وقت تھا۔ جب لوگ مرسید صاحب کو لڑکوں کا باپ سمجھتے تھے۔ اور مولوی

محمد سمیع اللہ خان بہادر کو لڑکوں کی ماں -

د:- اپنی ذاتیات کو بالکل بھول جاوے - اور خدا کو حاضر وناظر
سمجھ کر کالج کی ہر ایک کارروائی میں قومی مقصد کو ہر ایک چیز پر مقدم
سمجھے اور اپنے آپ کو خدا کا اور قوم کا جواب دہ سمجھے :

ہ:- کفائیت شعاری کو اپنا شعار گردانے اور طلباء کو بھی کفائیت
شعاری کی ترغیب دے - کالج کا ایک پیسہ بھی جو قوم کا پیسہ
ہے بے ضرورت صرف نہ ہونے دے -

سیوم:- جس وقت یہ اطمینان ہو کہ ٹرسٹیز کا اور کم از کم ٹرسٹیوں کی مجارٹی کا
پورا بھروسہ ہے اور وہ اپنے عہدہ کے فرائض کو انجام بھی دے
سکتا ہے اُس وقت تک عہدہ پر قائم رہے - اور جب ان باتوں
میں سے کسی میں ضعف آتا ہوا دیکھے تو ہنسی خوشی عہدہ کو
چھوڑ دے :-

چہارم:- اپنے زمانہ سکرٹری میں جہاں تک ممکن ہو ٹرسٹیوں کو اپنے کام
میں شامل اور شریک رکھنا چاہیئے خصوصاً * * جو ٹرسٹی علیگڈھ
یا اوس کے حوالی میں رہتے ہیں - اُن کو ضرور ترغیب دینی چاہیئے
کہ وہ سکرٹری کو ہر طرح مدد دیں - اور ایک اہم کام میں اُن سے
صفائی قلب کے ساتھ مشورہ کرنا چاہیئے اور بالتخصیص جن بزرگان
اور ہمدردان قوم نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ وہ کالج ہی کے گرد
مستقل طور پر سکونت اختیار کریں گے - جس کی بنیاد پڑ چکی ہے
اُن کا بہت زیادہ لحاظ رکھنا چاہیئے - یہی لوگ آج قومی ممبرین
اور کالج کے آنریری سکرٹری اور مسلمان روساء ضلع علیگڈھ و
بلند شہر کو انکی خاطر برداشت میں انصار کی تقلید کرنی چاہیئے
کالج کالونی اسلامیہ یونیورسٹی سے کالج اور قوم کے حق میں

کم مفید ثابت نہ ہوگی۔

پنجم:۔ ہر ایک آنریری سکرٹری کو ٹرسٹیوں میں سے کچھ ایسے لوگ تیار کرنے چاہئیں جو آئندہ آنریری طور پر سکرٹری اور جائنٹ سکرٹری کی خدمات کو بلاوقت انجام دے سکیں۔ اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ جو پرجوش اور قومی ہمدرد ٹرسٹی کالج کے کاروبار میں دلچسپی لینے والے ہوں۔ اُن کو کام کرنے کا موقعہ زیادہ دیا جاوے اور اُن کے شوق کو اور بڑھا دیا جاوے۔ تاکہ رفتہ رفتہ ہر ایک قسم کا کام ان کے ہاتھ سے بزیر نگرانی و اطلاع آنریری سکرٹری انجام پانے لگے سکرٹری کا آفس آئندہ اُمیدواران عہدہ سکرٹری و جائنٹ سکرٹری کا مدرسہ ہونا چاہیئے۔

ششم:۔ پارٹی شیلنگ سے کالج کو بچایا جاوے۔ جس میں فی صدی نوّے حصہ آنریری سکرٹری کی طرز کارروائی کو دخل ہوگا۔

ہفتم:۔ نہ صرف ٹرسٹیوں کو بلکہ قوم کو کالج کے حالات سے بہت زیادہ مطلع رکھنا چاہیئے۔ سیکرٹریٹ کارروائیوں کی تعداد کالج کارروائی میں بہت ہی کم ہونی چاہیئے۔ اور نکتہ چینیوں اور اختلافات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرنا چاہیئے۔

ہشتم:۔ آخرالامر اس بات کی ہمیشہ کوشش میں رہنا چاہیئے۔ کہ کالج ایک دن اسلامیہ یونیورسٹی ہو کر رہے۔

خاکسار۔ مشتاق حسین۔ امروہہ ۱۵ اگست ۱۹۰۷ء

نواب وقار الملک کی سپیچ

نواب وقار الملک بہادر نے ۲۳ مارچ ۱۹۰۷ء کو طلبا کے مدرسۃ العلوم کے سامنے جو اسپیچ دی - اس کا ضروری حصہ یہاں پر لکھا جاتا ہے - نواب صاحب نے فرمایا "میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہے اور وہ اپنا وجود کس صورت میں قایم رکھ سکتے ہیں پس اول ہم کو اپنی مردم شماری پر نظر کرنی چاہئیے - ہماری تعداد بہ نسبت دوسری قوموں کے ہندوستان میں ایک خمس ہے - اب اگر کسی وقت ہند میں خدانخواستہ انگریز نہ رہے - تو غور کرو مسلمانوں کی حالت ہند میں کیا ہو جائے گی - یقیناً ہم کو اس ملک میں جس میں کچھ عرصہ بیشتر ہم حکمرانی کر چکے ہیں ہندوؤں کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا - اور اب خیال کرو اس وقت ہماری کیا حالت ہوگی - اُس وقت ہماری جان ہمارا مال ہماری آبرو ہمارا مذہب سب خطرہ کی حالت میں ہوگا - اور اگر کوئی تدبیر ان خطروں سے محفوظ رہنے کی ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے - تو یہی ہے کہ انگریزی حکومت ہندوستان میں قایم رہے - ہمارے حقوق کی حفاظت تب ہی ہو سکتی ہے - جب کہ ہم گورنمنٹ کی حفاظت پر کمربستہ ہوں - ہمارا وجود اور گورنمنٹ کا وجود لازم و ملزوم ہیں - اگر خدانخواستہ گورنمنٹ کا وجود قایم نہ رہے - تو پھر ہمارا وجود بھی قایم نہیں رہ سکتا - پس ہمارا یہ دعوے کہ ہمارے لئے انگلش گورنمنٹ کے ساتھ وفادار رہنے کے سوا دوسرا کوئی طریقہ اس ملک میں اپنی حفاظت کا نہیں ہے - ایک ایسا دعوے ہے - جو گویا کہ ریاضی سے ثابت ہو گیا ہے - انگریزی گورنمنٹ

ں حفاظت کرنا اور اس کی غادلانہ پالیسی کی حمایت کرنا ہمارا اولیں فرض ہے
ز ہمارا ایسا کرنا کسی خوشامد میں داخل نہیں ہے بلکہ اس خیال سے ہے کہ
اری خوش قسمتی سمجھنی چاہئیے ۔ کہ ہندوستان میں انگریزوں اور مسلمانوں
کے مقاصد متحد واقع ہونا سب سے بڑی ضمانت اس بات کی ہے کہ
ہ دونوں باہم ایک دوسرے کی دوست ہوں گی ۔ میں کہہ چکا ہوں کہ
نگریزوں کے بغیر ہم اس عزت و آسودگی کے ساتھ نہیں رہ سکتے ۔ اسی
رح انگلش گورنمنٹ کو بھی یہ سمجھنا پڑے گا کہ مسلمانوں کا وجود ہندوستان
یں گورنمنٹ کے لئے کس قدر مفید و ضروری ہے ۔ اگر مسلمان دل سے
نگریزوں کے ساتھ ہیں تو ہندوستان سے ان کو کوئی نہیں نکال سکتا ۔
زیز نوجوانو! ہم کو معلوم ہے کہ بعض تعلیم یافتہ مسلمان کانگریس میں شریک
ہو گئے ہیں ۔ اور اس قومی پالیسی سے جس کا میں نے ذکر کیا علیحدہ ہو گئے
یں ۔ مگر اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ مسلمانوں کو اب تک اپنے حقوق پر مباحثہ
ے کا کوئی موقعہ نہیں ملا تھا ۔ اور ان کی کوئی قومی پولیٹکل مجلس نہ تھی جسمیں یہ شریک
و کر اپنی قوم کے نفع نقصان پر بحث کر سکتے ۔ یا یہ نوجوانی کا جوش تھا ۔ جس
پنی قوم سے آزاد ہوئے ۔ اور دوسری قوم کی مجلس میں شامل ہونے پر آماده
یا ۔ مگر میں یقین کرتا ہوں کہ اگر ان کو بتایا جائے کہ انکی قوم کا نفع نقصان کن باتوں
ر منحصر ہے ۔ اور انکو دکھایا جاوے ۔ کہ انکی زندگی کا کن خیالات پر مدار ہے تو وہ
ضرور راہ راست پر آجائینگے ۔ اور اپنی قوم سے علیحدہ رہنے کو گناہ تصور کرینگے ۔
ور ان معاملات میں شریک ہونے کو نا عاقبت اندیشی اور خودکشی پر محمول کرینگے
ن میں انکی قومیت کو نقصان پہنچتا ہے ۔ اور جن سے انکی قومی زندگی تباہ ہونے
کا اندیشہ ہے ۔ اب ہم مسلمان کی ایک خاص پولیٹکل مجلس قایم ہوگئی ہے ۔ جس کا
نام آل انڈیا مسلم لیگ ہے گو یہ مجلس دیر سے قایم ہوئی ہے اور اس مجلس کے قایم
کرنے میں بہت غفلت کی گئی ہے ۔ مگر اب ہم خدا کا شکر کرتے ہیں ۔ کہ اس کی بنیاد

مستحکم رکھی گئی ہے - اور کوشش ہو رہی ہے کہ اس کی شاخیں تمام
ہندوستان میں پھیل جائیں - ہر صوبہ میں ایک ایسوسی ایشن ہوگی - ہمارے
صوبے میں چونکہ ایسوسی ایشن نہیں تھی - لہذا انتظام کیا گیا ہے کہ صوبہ کے
تمام اضلاع میں جداگانہ مجلسیں قائم ہوں - اور اضلاع کی مجلسوں سے صوبہ کی
ایسوسی ایشن کے واسطے ممبر منتخب ہوں - اور اُن سے صوبے کی
مجلس قائم ہو جاوے - ہمارے صوبے کی ایسوسی ایشن دوسرے
صوبے کی انجمنوں کے ساتھ شامل ہو کر آل انڈیا مسلم لیگ کے واسطے ممبر
منتخب کرے گی - اور اس طرح ایک آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوگی - جس کے
لئے کوشش ہو رہی ہے - اور ایک ایسی وسیع کارروائی کے واسطے
بیشک وقت کی ضرورت ہے - ان مجالس کے ذریعے سے ہندوستان
کے ہر حصے میں مسلمانوں کی پالیسی کا اعلان کیا جاوے گا - اور مسلمانوں
کو مدلل طریقے سے دکھایا جائے گا - کہ اُن کی تمام ترقیوں اور کامیابیوں
کا مدار صرف اس پالیسی پر ہے کہ برٹش گورنمنٹ کے ساتھ انکے دوستانہ
تعلقات ہوں - اُن کو اس عمدہ خیال کی تلقین کی جاوے گی - کہ وہ اپنے
تئیں مثل انگریزی فوج کے تصور کریں - اور تاج برطانیہ کی حمایت میں اپنی
جانیں قربان کرنے اور اپنے خون بہانے کے لئے تیار ہوں - اور
گورنمنٹ سے اپنے حقوق نہایت ادب اور متانت سے طلب کریں -
نہ اس طریقے سے جس پر ہمارے دیگر ابنائے وطن کا عمل ہے - اور اس سے
میری مراد ایجی ٹیشن کے طریقے سے ہے - میں امید کرتا ہوں - کہ ان
مجلسوں میں ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اپنے قومی حقوق پر مودبانہ بحث
کرنے کا موقعہ ملے گا - اور خاموش پالیسی کا وہ نقصان رفتہ رفتہ بالکل
دور ہو جائے گا جس کے وہ اب تک شاکی ہیں - میرے دل میں ایک
اور خیال ہے - اور ممکن ہے کہ وہ غلط ہو - مگر میں اس پر یقین رکھتا ہوں

جہاں تک میں نے غور کیا ہے - مجھے معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس والونکو
جو کام آئیندہ زمانے میں سرانجام دینا ہے - اس کا منصوبہ اُنہوں نے
قایم کرلیا ہے - اور اُس کا وہ مکمل خاکہ پہلے سے تیار کر چکے ہیں - اب
وہ رفتہ رفتہ اپنے منصوبے کے موافق کام کر رہے ہے - اور اسی خاکے
کے مطابق اپنی عمارت بنا رہے ہیں - وہ چاہتے ہیں کہ اُن کی پولٹیکل
قوت روز بروز مستحکم ہوتی جاوے - اُن کی تمنا ہے کہ باضابطہ ایجی ٹیشن
کے ذریعے ریپر زینٹیٹو گورنمنٹ حاصل کریں - میونسپل کمیٹیوں سے لے کر
وائیسرائے کی کونسل تک اُنہوں نے یہ انتظام کرالیا ہے - اسی طرح پر
وہ ریپرزینٹیو گورنمنٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں - جس میں باشندگان ہندوستان
کی عام آزادانہ رائے اور میجارٹی سے ممبر منتخب کئے جائیں - اور تمام
قوانین ان ممبروں کی کثرت رائے سے بنائیں جائیں - اور تمام انتظامات
اس میجارٹی کے ہاتھ آجائیں - اس رائے کے محرک اور اس خیال
کے علم بردار ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں - کہ ہمارا منصوبہ تمام ہندوستان
کے لئے مفید ہے - اور تمام اہل ہند کی بہتری ہمارا انتہائی خیال ہے
ہم کسی خاص قوم کے فائدے کے لئے کوئی تحریک نہیں کرتے - پھر کوئی
وجہ نہیں ہے کہ مسلمان ہماری اس نیک آدمی اور عام ہمدردی کی پالیسی
میں شریک نہ ہوں - اور اپنی آواز ہماری آواز کے ساتھ ملاکر ہم کو قوت
نہ پہنچائیں - اور ہماری رائے کی تائید میں اپنی رائے کا اظہار نہ کریں
مگر اے نوجوان دوستو! یہ سراسر مغالطہ ہے اور ہماری قوم کے لئے ایک
تباہ کن پالیسی ہے اور مجھ کو اپنی قوم کی سود و بہبود کے لحاظ سے اس امر کے
اظہار کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ اگر ہم اس مغالطہ کو نہ سمجھیں - اور
اس دھوکہ کی ٹٹی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رہنے دیں - اور اس تحریک
میں شریک ہو جائیں - اور اس رائے پر عمل کریں تو ہماری قوم زمانہ آئیندہ

میں طرح طرح کے خطرات میں گھر جائے گی۔ اور اس کی قومی ہستی ملیامیٹ ہو جائے گی۔ اور اس کی خصوصیات قایم نہ رہیں گی۔ اور وہ اپنے تمام مقاصد اور فوائد کھو بیٹھے گی۔ نوجوان دوستو! ہماری اور ان کی حالت اُس وقت بالکل ایک ڈھلوان سطح کی سی ہے۔ جس کے بالائی حصے میں مسلمانوں کو جگہ ملی ہے۔ جب اس پر پانی برستا ہے تو سارا پانی بہ کر نیچے چلا جاتا ہے اور اوپر کچھ نہیں رہتا۔ اسی طرح گورنمنٹ رعایا کو جو حقوق بخشتی ہے۔ اس میں چونکہ کوئی حفاظت مسلمانوں کی نہیں ہوتی۔ لہذا وہ بھی سب ہمارے ابنائے وطن کے حصے میں چلے جاتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر اس ملک میں سلف گورنمنٹ قایم ہو اور اس کے ممبر باشندگان ہندوستان کی کثرت رائے سے منتخب ہوں اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت گورنمنٹ کے قوانین کے ذریعے سے نہ ہو۔ اور میجارٹی کے منتخب شدہ ممبر ملک کے انتظام کے لئے قوانین بنایا کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام فوائد جو عام انتخابی اصول کی حکومت سے حاصل ہوں گے ان کے مالک صرف وہی شخص ہوں گے جن کی میجارٹی ہوگی اور جس گروہ کی تعداد قلیل ہے۔ اس کے خاص حقوق ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ اور اس کے خاص فوائد پر پانی پھر جائے گا۔

وقار الملک کا نواب محسن الملک کو خط

۲۲ر اپریل ۱۹۰۶ء کو جناب معلی القاب ہز ایکسلنسی رائیٹ آنریبل ارل آف منٹو پی سی۔ جی۔ ایم۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ ایم۔ جی۔

وائیسرائے و گورنر جنرل کشور ہندوستان دام اللہ اقبالہٗ پہلی مرتبے
مدرستہ العلوم میں جلوہ گر ہوئے۔ اور ٹرسٹیان کالج کے پُر اخلاص
اڈریس کے جواب میں حسب ذیل اسپیچ دیتے ہوئے ہمارے
معزز ہیرو جناب مولوی مشتاق حسین صاحب وقار الملک آنریری
سکرٹری علیگڈھ کالج کو نواب کا حسب حال اور معزز خطاب عطا فرمایا
حضور وائیسرائے نے اپنی اسپیچ یوں شروع کی۔ "حضرات! میں آپ
کے اڈریس کا اور آپ کے پرجوش خیر مقدم کا جو آپؐ نے میرے پہلی
دفعہ علیگڈھ آنے پر کیا ہے۔ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا
ہوں کہ میں آپ کے عنایت خیز اور تحسین آمیز الفاظ کی دل سے قدر
کرتا ہوں۔ اور آپ اس بات پر ہمیشہ اعتماد رکھیں کہ آپ کے جو
مفید ملک مقاصد ہیں اور جن کے حاصل کرنے میں آپ کے کالج
نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ ان سے مجھے دلچسپی اور ہمدردی ہے
میں بہت دنوں سے یہاں آنے کا خواہشمند تھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے
کہ آپ کے ممتاز اور نہایت ہر دلعزیز سابق سکرٹری نواب محسن الملک
کو میرے یہاں آنے کی کس قدر آرزو تھی۔ کاش میں اُن کے زمانے
میں یہاں آیا ہوتا لیکن یہ امر شدنی نہ تھا۔ اپنی رحلت سے چند روز
پہلے وہ شملے میں میرے کمرے میں بیٹھے تھے۔ اور اُس وقت کے
لحاظ سے میں جانتا ہوں کہ وہ اُمور ان کو کس قدر عزیز تھے۔ جن سے
یہاں آپ کو تعلق ہے۔ آپ نے سچ کہا ہے کہ اُس کالج کے
جلیل القدر بانی کے وہ دستِ راست تھے۔ اور اپنی کوشش
اور مثال کو اس کالج کے لئے ایک بیش بہا ورثہ چھوڑا ہے۔ آپ
نے جو علیگڈھ کی تاریخ اِس خوبی سے بیان کی ہے۔ اُسے میں نے
نہایت دلچسپی کے ساتھ سُنا۔ آپ کے کالج کی عمر صرف ۳۴ سال

کی ہے۔ جو ایک نسل کی زندگی سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ تاہم میں بلا مبالغہ
کہہ سکتا ہوں کہ ان چند سالوں میں اس نے اپنے تئیں تمام ہندوستان
کے مسلمانوں کے خیالات کا مرکز اور ہدائیت کا سرچشمہ بنا دیا ہے۔ اس
نے اپنے جلیل القدر بانی کی امیدوں کو اچھی طرح پورا کیا ہے۔ جب ہم
ان مشکلات کو یاد کرتے ہیں جو اس بڑے کام کی ابتدا میں سرسید کو پیش
آئی تھیں اور جو نہ صرف مالی مشکلات تھیں بلکہ اُن سے سخت تر معاشرتی
اور مذہبی شبہات اور رسم ورواج کی بنا پر بے سمجھے بوجھے مخالفت ان
کے راستے میں حائل تھی تو کالج کے اس بلند مرتبے پر جو اس وقت
اُسے حاصل ہے۔ تعجب کہنا بے جا نہیں۔ اُنہوں نے ان سخت
مشکلات پر فتح مذہبی حاصل کی۔ ان کی فتح مذہبی یہی تھی کہ جن خیالات
کے لئے انہوں نے ایسی جانکاہ کوشش کی تھی وہ تسلیم کر لئے
گئے۔ ان خیالات سے میری مراد مغربی تعلیم کا شمول اسلام کی
مقدس خوبیوں کے ساتھ ہے۔ میرے خیال میں ہندوستان کو
جس تعلیم کی ضرورت تھی اُنہوں نے اِس کے ساز کے اسی تار
پر دے پر اپنی انگلیاں رکھیں۔ اُنہوں نے اس خطرہ کو صاف دیکھ
لیا جس میں موجودہ نسلیں اُس صورت میں ضرور مبتلا ہو جاتیں۔ جب کہ
ان کو ادھوری مغربی تعلیم دی جاتی۔ اور اُس روحانی ہدائیت کا
کوئی موقعہ نہ دیا جاتا جن پر ان کے آباؤاجداد بھروسہ رکھتے تھے اور
ان میں ضبط نفس اور ایثار کے پیدا کرنے کی پروانہ کی جاتی۔ جن کا
کہ ہر ایک مذہب حکم دیتا ہے۔ اور کوئی مذہبی منتہائے خیال نہ ہوتا
جسے وہ مدنظر رکھتے۔ ایسے خدشوں سے محفوظ رہنے کے
لئے اُنہوں نے مذہبی تعلیم کے ساتھ اس نظام سکونت طلباء
کی بنیاد ڈالی۔ جس کے نتائج اس قدر کامیاب ہوئے۔ کالج کی

ابتدا ملکہ معظمہ مرحومہ کی سالگرہ کے دن ۱۸۷۵ء میں ہوئی ۱۸۷۷ء میں موجودہ عمارتوں کا سنگ بنیاد دربار قیصری کے بعد ہی لارڈ لٹن نے رکھا۔ اس وقت جو اڈریس وائیسرائے کو دیا گیا تھا۔ اس کے آخر جملے میں یہ امید ظاہر کی گئی تھی کہ جس کالج نے ایسی چھوٹی سے ابتدا کی ہے وہ رفتہ رفتہ ایک یونیورسٹی کے درجے تک پہنچ جائے گا جس کے فرزند ملک کے طول و عرض میں اس غرض سے پھیل جائیں گے کہ وہ اپنے پاکیزہ خیالات اور فیاضانہ رواداری اور آزادانہ تحقیقات کا وعظ کریں۔ یونیورسٹی ابھی تک قائم نہیں ہوئی۔ لیکن اس امر سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اس کالج نے ان امیدوں کو جو اس اڈریس میں ظاہر کی گئی تھیں۔ اس حد تک پورا کیا ہے جس کی امید اس کے بانی کو بھی مشکل سے ہو سکتی تھی علیگڈھ کالج نے اپنے جن شاگردوں کو دنیا میں بھیجا ہے۔ اس نے ان کے دلوں پر اپنا سکہ نقش کر دیا ہے۔

۱۸۹۴ء میں سر آکلینڈ کالون نے کہا تھا۔ یہ امر بار بار ثابت ہو چکا ہے کہ علیگڈھ کا تعلیم یافتہ ہونا انگریزوں اور ہندوستانیوں کے نزدیک عزت اور اعتبار کی سند ہے۔ یہاں کے تعلیم یافتہ تربیت کا وہ نقش اپنے دلوں پر رکھتے ہیں جو اس شخص کے ذہنی خیالات کا عکس ہے۔ جس کے زیر اثر وہ تربیت حاصل کی گئی ہے۔ کالج کی تاریخ دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے ۱۸۷۵ء سے ۱۸۸۰ء تک یہ کوشش ہوتی رہی کہ اس درسگاہ کی مالی بنیاد مستحکم ہو۔ اور تمام مسلمان قوم میں ہر دلعزیز ہو جائے ۱۸۸۰ء کے بعد سے جمہور کی رائے کا رخ سر سید کی طرف پھر گیا۔ اس وقت سے اب تک ان کی اور ان کے جانشین نواب محسن الملک بہادر

کی نگرانی اور اسٹاف کی پوری امداد سے کالج برابر ترقی کی منازل
طے کرتا رہا۔ شاید یہ کہنا اصلیت سے بعید نہ ہوگا کہ اب علیگڈھ
کالج کا تیسرا دور شروع ہوا ہے۔ جس میں وہ اس بات کا واجبی
سے دعوے کر سکتا ہے کہ جو تربیت کے طریقے سے اُس نے
اختیار رکھے ہیں۔ اور جن بلند مقاصد کو اس نے پیش نظر رکھا ہے
وہ کالج کی حدود سے گذر کر ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی نفع رسانی
کے لئے دُور دُور تک پھیلتے جاتے ہیں۔ لیکن یہ کامیابی جو کالج
نے حاصل کی ہے اور زیادہ کام کرنے کے مواقع پیش کرتی ہے
اور اس لئے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ آپ نے اپنے ایڈریس
میں جو اس امر پر زور دیا ہے۔ وہ سچ ہے کہ علیگڈھ اپنی وسعت
کی آخری حد تک نہیں پہنچا۔ بہت سے پس ماندہ مسلمان گروہ ایسے
ہیں جن میں تعلیم کا بہت کم دخل ہے اور اُس تعلیم کی خواہش
ان میں روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ جس کی ضرورت کا احساس
اس کشمکش کے زمانے میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے روز افزوں
ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اس امر کو بھی تسلیم کر لیا ہے۔ کہ
آئندہ عورتوں کی تعلیم کو بھی ایک معقول حصّہ ملنا چاہیئے کیونکہ خانہ داری
کی زندگی میں اُن کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ منجملہ تمام ترقی یافتہ تعلیمی طریقوں کے
ہندوستانی مسلمان علیگڈھ ہی کی طرز تعلیم کو پسند کرتے ہیں۔ اور
وہ اس امر میں بھی علیگڈھ ہی کی امداد کے خواہشمند ہیں۔ میں امید
کرتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی تعلیمی ضروریات کو پیش نظر
رکھیں گے۔ اور سر سیّد کے اُس فرض کو فراموش نہیں کریں گے
جو اُس کے ذمے ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کا بڑا انحصار شخصی
فیاضی پر ہونا چاہیئے۔ اور علیگڈھ کو اکثر سرپرستوں سے امداد ملی ہے

[illegible] خان بہادر [illegible] سے [illegible] میں [illegible]
ورثاء کی پر ایثار رضامندی سے اپنے خاندان کا وہ وظیفہ جو ریاست
کی ممتاز خدمات کے صلے میں ملا تھا۔ دائمی طور پر کالج کو دیدیا ہے
یہ حقیقت میں ایک نہایت مؤثر ثبوت اُس قدر و قیمت کا ہے جو اس
عظیم الشان درسگاہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ حضرات میں آپکو
مبارکباد دیتا ہوں۔ جو علیگڈھ نے اب تک کیا ہے۔ اور اس کی
آئندہ مسلسل کامیابی کی امیدوں میں دل سے آپ کے ساتھ شریک
ہوں۔ مجھے ایک لفظ کہنے کی آپ اور اجازت دیں۔ آپکے سکرٹری
مولوی مشتاق حسینؒ نے نواب محسن الملک کی جگہ لی ہے۔ میں انکی
اہم ذمہ داریوں اور ضروری کام کے ہجوم کو خوب جانتا ہوں۔ اس
لئے مجھے یقین ہوتا ہے۔ کہ میں ان کو "نواب" کا خطاب دیکر جو ان کے
ممتاز پیش رو کو ایک مدید [illegible] سے حاصل تھا علیگڈھ والوں کی عام
تمنا کو پورا کروں +